مسلم ریاست جدید کیسے بنے

www.kitabosunnat.com

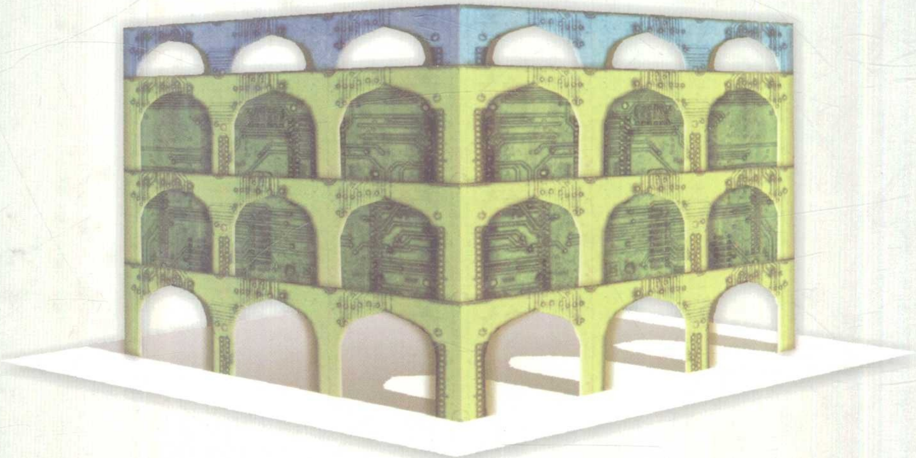

محمود مرزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- **کتاب وسنت ڈاٹ کام** پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- **مجلس التحقیق الاسلامی** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد **(Upload)** کی جاتی ہیں۔
- **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ **(Download)** کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

مسلم ریاست جدید کیسے بنے

معاشرتی رویوں کے فکری اور کلچرل پہلوؤں پر ایک نظر

محمود مرزا

www.KitaboSunnat.com

دار التذکیر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

اہتمام : محمد احسن تہامی

طبع: اول

مطبع : گنج شکر پرنٹرز

تعداد: 1000

تاریخ اشاعت : ۲۰۰۵

قیمت : -/140 روپے

15266

دارالتذکیر

رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار

لاہور۔54000 فون : 7231119

ویب سائٹ: www.dar-ut-tazkeer.com

ای میل: info@dar-ut-tazkeer.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انتساب

ڈاکٹر حامد الیاس مسعود کے نام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترتیب

ایک نئی کتاب کیوں؟ 7

پہلا باب: مسلم دنیا میں جدید علوم کا فروغ کیوں نہ ہوا 9

دوسرا باب: احیائے علوم...... یورپ اور مسلم دنیا میں 15

تیسرا باب: پاکستان میں فروغ علم کے امکانات 22

چوتھا باب: اجتہاد یا الحاد 35

پانچواں باب: ترقی اور اسلام 49

چھٹا باب: اسلامی اقدار کے معاشی پہلو 60

ساتواں باب: ہمارے کلچر کے سیاسی پرتو 72

آٹھواں باب: آمریت اور کرپشن کی کلچرل بنیادیں 85

نواں باب: ٹیکس گریزی کے کلچرل پہلو 100

دسواں باب: نظریاتی کنفیوژن...... اسلامی قانون، اسلامی نظام اور جدید دور 113

ضمیمہ جات 156

کچھ اپنے بارے میں 165

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک نئی کتاب کیوں؟

پاکستان میں جدیدیت کا عمل تیز کرنے اور قوم میں تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے نئی سماجی سوچ اور سائنسی رویے کی ضرورت ہے۔ اسلامی نظام اور اسلامی قانون کی تشریحات نے، جو ہماری قومی زندگی میں نافذ کی گئیں، ہماری فکری اور علمی کمزوریوں کو عیاں کر دیا ہے۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ نظریاتی الجھاؤ مذہبی حلقوں ہی کے لیے خاص نہیں رہا۔ ہمارے ملک کے دوسرے مکاتب فکر بھی الجھاؤ سے پاک نہیں۔ یہ بات اچھوتی نہیں۔ ایسا ملک جو سماجی اور علمی ارتقا کی اس منزل میں ہو، جس میں ہم ہیں، اور جو آزادیٔ فکر کی کوئی تاریخ بھی نہیں رکھتا، وہاں یک رخ اور تنگ نظر انداز فکر تمام لوازمات کے ساتھ موجود رہتا ہے۔

یہاں روایت پرست حلقوں میں یہ تو تسلیم کیا جاتا ہے کہ دنیا تیزی سے بدل رہی ہے، لیکن ان تغیر پذیر حالات کی وسعت، دوررس اثرات اور ان کے تقاضوں کا معروضی اور سائنسی ادراک عموماً موجود نہیں۔ ہمارے روایتی نظریات میں کیا تضادات پائے جاتے ہیں؟ ان کا مستقبل کیا ہے؟ مسلم معاشروں میں سماجی ترقی کیوں نہیں ہوئی؟ موجودہ سماجی ڈھانچے اور کلچر نے ہمیں پسماندہ رکھنے میں کیا کردار ادا کیا ہے؟ پاکستان کے جمہوری استحکام کے کلچرل لوازمات کیا ہیں؟ ان مسائل پر میرے چند مضامین کتابی شکل میں حاضر ہیں۔ ان مضامین کا بنیادی مقصد جدید ریاست اور عالمگیریت کے فکری تقاضوں کا احساس اجاگر کرنا ہے۔ میری آرزو ہے کہ ہمارے ملک میں صحت مند فکری اور ثقافتی مسائل پر کھل کر ڈائیلاگ ہو۔ آج تیز رفتار سائنسی ترقی کے عالمی اور قومی تقاضے بدل رہے ہیں۔ نئی سائنسی سوچ بچار کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ اگر یہ کتاب نئی سوچ کو اجاگر کرنے اور باہمی مکالمت پراکسانے میں کوئی قابلِ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذکر کردار ادا کر سکے تو یقین ماہیے کہ میں نے زندگی کا حق ادا کر دیا۔

عزیزم وقار مصطفیٰ نے اس کتاب کی ادارت کی ۔ آخری مضمون کے سلسلے میں جناب مقبول الرحیم مفتی نے علماء کی سیاست سے متعلق بعض حوالوں سے میری مدد کی ۔ پروفیسر رفیق محمد نے کتاب کے مسودہ پر ایک نظر ڈالی اور اپنے مشورے سے مجھے نوازا۔ میں ان تمام دوستوں کا ممنون ہوں ۔ مجھے امید ہے کہ قارئین بھی اس کتاب کے بارے میں اپنی بے لاگ رائے سے مجھے مستفیض کریں گے۔

لاہور۔ مارچ 2005ء

محمود مرزا

E-mail: mmirza32@hotmail.com

www.mahmoodmirza.com

Mobile: 0333-4373759

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم دنیا میں جدید علوم کا فروغ کیوں نہ ہوا؟

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ گویا کسی نئے نبی کے ذریعے آسمانی ہدایات کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ دین کی تکمیل سے مراد یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مجموعی مطالعہ سے انسان اتنا باشعور، بالغ نظر اور ذمہ دار ہو جائے کہ زمانے کے بدلنے اور علوم وفنون کی ترقی سے جو نئے مسائل پیش آئیں انہیں وہ غور وفکر، تحقیق، مشاہدہ اور قدرت کے مطالعہ سے طے کر سکے۔ نئے مسائل سے کم علمی اور فکر و تحقیق سے گریز ہم مسلمانوں کی پسماندگی کا سبب بنی جو مسلم معاشروں کی ہر سو کمزوری کا باعث ہوئی۔

زیر بحث مسئلے کے تعلق سے مسلم تاریخ کا مختصر جائزہ پیش ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ عرب مسلمانوں کی سلطنت پہلی صدی ہجری میں تیزی سے دور تک پھیل گئی۔ خلفائے راشدین کے بعد جب بنو امیہ کے حکمرانوں نے دارالخلافہ دمشق مقرر کیا تو انہوں نے محسوس کیا کہ عربستان کے قبائلی نوعیت کے انتظامی اقدامات وسیع وعریض سلطنت کا نظم ونسق چلانے کے لیے کافی نہیں۔ بنو امیہ نے بدلے ہوئے تقاضوں کے مطابق نظامِ حکومت قائم کرنے میں فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ انہوں نے بعض لاطینی اور ایرانی اور اکثر جگہ مقامی طریقوں کو تسلیم کیا اور نظم ونسق چلانے میں ان سے فائدہ اٹھایا۔

تاہم قانونی معاملات یا ''فقہ'' میں انہوں نے اسلامی احکامات کو پیش نظر رکھا۔ انہوں نے حدیث اور فقہ کے علوم کے فروغ میں مدد جاری رکھی۔ اس وقت کے سوریا (شام) میں موجود یونانی نظریات مسلمانوں کے فکری ارتقاء میں بالواسطہ مددگار ثابت ہوئے تاہم یہ بات مسلمانوں کے بنیادی نظریات کے ڈھانچے پر اثر انداز نہ ہوئی۔

یہ بات چھپی ہوئی نہیں کہ اموی خلفاء مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے اس عزت ومرتبہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مالک نہ تھے جو چار خلفائے راشدین کو حاصل تھی جن کا دارالخلافہ مدینہ تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے اموی خلفاء سیاسی معاملات کو عملی مصلحتوں کے مطابق طے کرتے تھے۔ تاہم اس دوران میں دین اسلام کے افکار و نظریات اپنی روایتی شکل میں مدینہ کے دینی حلقے میں پنپتے رہے۔ مدینہ کے دینی حلقے اور دمشق کے حکمران طبقے میں فکر و افکار کی جو دوری پیدا ہوئی وہ بنو امیہ کے زوال کا ایک سبب بنی۔

ان کے دور کے بعد بنو عباس نے دارالخلافہ تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ اس تبدیلی میں ایرانی مسلمانوں نے اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ بنو عباس کا دارالخلافہ 750ء میں بغداد میں قائم ہوا۔

سیاسی مصلحتوں اور دینی تعلیمات کے درمیان فرق جو بنی امیہ کے دور خلافت میں ظاہر ہوا تھا اسے بنو عباس نے دور کرنے کی حکمت عملی اختیار کی۔ انہوں نے دینی علماء کو مطمئن کرنے کے لیے فقہی معاملات کو روایت پرست مذہبی تعلیمات کے مطابق نافذ کیا مگر ساتھ ہی یونانی فلسفہ، طب اور سائنس کی کتب کا عربی زبان میں ترجمہ کا عمل تیز کر دیا۔ یہ کام مامون الرشید کے دور میں بڑے پیمانے پر ہوا۔

یہ کام اپنی نوعیت میں خالص دانش ورانہ تھا۔ اس کا اثر لازمی طور پر مذہبی افکار پر بھی پڑا۔ یوں عقلیت پسندی کا رویہ اور رجحان اجاگر ہونے لگا۔ اور ایک تحریک جسے معتزلہ کے نام سے پکارا جاتا ہے پروان چڑھی۔

عباسی خلفاء کے دور میں حکومت کی مشینری کا بڑا حصہ ایرانی دانشوروں پر مشتمل تھا جو پرانے تہذیب یافتہ تھے۔ چنانچہ اسلام کی روایتی تعلیمات کے ساتھ ساتھ دانشوری اور تہذیبی تحریکیں بھی پروان چڑھیں۔ یہ وہی دور تھا جب فارسی ادب پر اسلام کا اثر بہت نمایاں ہوا مگر مذہبی عقائد یا مذہبی لٹریچر عربی زبان ہی میں فروغ پاتے رہے۔

اس بحث سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ فروغ علوم کی تحریکوں کا اثر علم، ادب اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہبی عقائد سب پر مرتب ہوا مگر یہ اثر وہیں تک محدود نہیں رہا، دوسری صدی ہجری سے چوتھی صدی ہجری کے دوران میں فروغ علوم کے معاشی اثرات بھی مرتب ہوئے۔ مسلمانوں نے تجارت اور دستکاری میں بھی ترقی کی۔ بین الاقوامی سطح پر اس وقت کے معیار کے مطابق بحری تجارت نے بھی فروغ پایا۔ اسی دور میں دوسرے علوم مثلاً تاریخ، جغرافیہ، حساب، الجبرا نے بھی ترقی کی۔ ان تمام علمی شعبہ جات کو اس وقت فلسفہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے عیسائی اور یہودی مذاہب کا بھی گہرا مطالعہ کیا اور ان کے بارے میں ایک معروضی نظریہ قائم کیا۔ مشہور عالم البیرونی نے ہندوستان میں رائج مذاہب کے بارے میں بھی معلومات حاصل کیں۔ تہذیبوں کی تاریخ کے بارے میں ابن خلدون کی خدمات کا آج بھی اعتراف کیا جاتا ہے۔

یہ سوال آج بھی توجہ طلب ہے کہ معتزلہ جیسی دانشورانہ تحریک نے مذہب کی دوسری تعبیرات کے بارے میں تنگ نظری اور تشدد کا رویہ کیوں اختیار کیا (شاید مذہبی نظریات میں اختلاف برداشت کرنے کی روایت کم ہے)۔ معتزلہ فرقے کی علمی تحریک دو صدیوں کے بعد زوال میں چلی گئی اور مسلمان حکمران روایت پرست مذہبی حلقوں کے زیر اثر آ گئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ معتزلی نظریات کو رد کرنے والے روایت پرست حلقے نے بھی دلائل کے اس فن پر اعتماد کیا جو یونانی فلسفے کی وجہ سے مسلمانوں میں رائج ہو چکا تھا۔ معتزلہ تحریک کے دب جانے کے بعد تعلیم کے پورے نظام پر روایت پرست علماء کا مستحکم قبضہ ہو گیا۔ روایتی علماء کے زیر اثر نظام تعلیم ان کی مضبوط گرفت میں رہا۔ اس کے باوجود چوتھی اور چھٹی صدی ہجری میں کچھ مسلمان دانشور اور فلسفی کہیں کہیں پیدا ہوتے رہے مگر وہ کسی بڑی علمی تحریک کو اجاگر کرنے میں کامیاب نہ ہوئے اور ان کے افکار نے روایتی نظریات پر کوئی اثر نہ ڈالا۔ فکری رہبری کی لگامیں مضبوطی سے روایت پرست علماء کے ہاتھوں میں رہیں اور وہ عقلیت پسند اور جدید فلسفہ کے پہنچنے کے امکانات پر روک لگانے میں کامیاب رہے۔

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں روحانیت پر مبنی تیسری تحریک بھی جاری ہوئی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کو صوفی ازم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کے ابتدائی مراکز عراق اور ایران میں تھے۔ اس نے ظاہری رسوم کی بجائے اندرونی اصلاح اور روحانیت اجاگر کرنے کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ یہ تحریک ایک نوعیت کا ردعمل تھا جو روایتی علماء کے جامد فقہی نظریات اور مسلم حکمرانوں کی مصلحتوں کے سبب اسلامی تعلیمات سے دوری کے خلاف ہوا۔ صوفی ازم اللہ سے روحانی تعلق کا ایک سلسلہ بن جانے کی وجہ سے اسلام کے دائرہ کار میں شمار کی جانے لگی۔ پانچویں صدی ہجری میں اس تحریک میں بھی غلط نوعیت کی رسوم داخل ہونا شروع ہو گئیں پھر بھی وہ علماء کے روایتی نظریات کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کے روحانی اطمینان کا باعث بنی رہی۔

سوال یہ ہے کہ قرآن کی مستقل نوعیت کی تعلیمات مثلاً کائنات پر غور، تفکر، مشاہدہ، مسلم معاشروں میں رہبری کیوں نہ کر سکیں۔ آیات قرآنی کا قابل ذکر حصہ سائنسی رویہ کی تلقین سے متعلق ہے مگر مسلمانوں کی عملی زندگی میں قانونی (فقہی) قواعد و ضوابط کے متعلق قرآنی آیات پر عمل پر زور بڑھ گیا حالانکہ یہ آیات عام طور پر مخصوص ضرورت کے مطابق اتریں۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ حکمران خلیفہ اور امیر المومنین جو سیاسی طاقت کا منبع تھے فکری آزادی کی فضا کو پنپتا گوارا نہ کر سکتے تھے اور پھر عصری تقاضوں کے مطابق پیدا شدہ مذہبی تعبیر کی اشاعت کی سہولیات موجود نہ تھیں۔ جن ادوار میں مسلمانوں نے علوم اور سائنس میں ترقی کی ان میں کتابوں کی اشاعت کی ایک ہی صورت تھی یعنی ہاتھ سے لکھنے کی۔ ظاہر ہے کہ مالی وسائل صرف انہی افکار کو مل سکتے تھے جو بالادست اور مالدار طبقات کے پسندیدہ تھے۔

یورپ میں احیائے علوم کی کامیابی میں پرنٹنگ پریس کی ایجاد نے اہم کردار ادا کیا۔ (جسمانی طاقت سے چلنے والے پرنٹنگ پریس کی ایجاد 1450ء میں ہوئی) پرنٹنگ پریس کی ایجاد کے وقت مسلم مفکرین کی آزادی فکر کی ادھوری کوشش ناکام ہوئے سات آٹھ سو سال بیت چکے تھے۔ مسلمان ملکوں میں فکر کی آزادی کو دبانے کی ماضی قریب کی مثال ترک سلاطین کا دور خلافت فراہم کرتا ہے۔ وہاں دو سو سال تک جدت پسندوں اور ریاست کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حمایت یافتہ روایت پرستوں کے مابین مذہب کی تعبیر کے مسئلے پر کشمکش جاری رہی۔ ترکی کے آخری حکمران سلطان حمید کو برطانیہ کی تائید اور حمایت حاصل تھی۔ جب ترکی پر یورپی اقوام نے حملہ کیا تو ترکی کی آزادی پسند اور قوم پرست فوج نے جنگ میں فتح حاصل کر کے ترکی کی آزادی برقرار رکھی۔ اس کشمکش کے پس منظر میں ترک فوج نے سیکولر نظام رائج کر دیا۔

مسلم سکالرز اور سائنس دانوں کی ترقی کا کوئی بڑا فائدہ معاشی ترقی کی صورت میں ظاہر نہیں ہوا۔ سائنسی علوم سے معاشی ترقی اس وقت حاصل ہوا کرتی ہے جب انجینئرنگ اور مشین بنانے کے ہنر ساتھ ساتھ ترقی پائیں۔ گویا سائنس دان کی تحقیق سے عملی فوائد حاصل کرنے کے لیے ٹیکنالوجی کی ترقی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یورپ میں سائنسی علوم کی ترقی کے قریباً دو سو سال بعد ٹیکنالوجی میں قابل ذکر ترقی واقع ہوئی جس کے نتیجے میں انیسویں صدی عیسوی میں صنعتی مصنوعات اتنی بڑی مقدار میں تیار ہونے لگیں کہ جدید صنعتی ممالک کی خوشحالی کے عمل کو تیز تر کرنے کا باعث بنیں۔ ہندوستان اور دوسری کالونیوں سے سستا مال خرید کر برطانیہ اور یورپی ممالک نے خودکار مشینوں کے ذریعے مصنوعات تیار کر کے ان ہی ممالک کو برآمد کیں۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ جن ادوار میں مسلمان سائنس دان پیدا ہوئے تب مشین سازی (ٹیکنالوجی) میں ترقی نہ ہونے کے سبب خوشحالی کی مستقل بنیادیں قائم نہ ہو سکیں۔

خیال رہے کہ مسلمان عالموں اور سائنس دانوں کی کتب سے بعد ازاں یورپ نے استفادہ کیا۔ یہ جملہ معترضہ ہے ابھی ہم ماضی بعید میں مسلمانوں کی پسماندگی کے کچھ اور اسباب کا ذکر جاری رکھیں گے۔

سولہویں صدی عیسوی اور بعد کے ادوار میں جب مسلمان سلاطین کی حکومتیں قائم تھیں یورپ میں علمی اور سائنسی بیداری یا احیائے علوم کی تحریک آگے بڑھ رہی تھی۔ یورپی ماہرین صنعتی اور تجارتی ترقی کے ساتھ ساتھ جنگی سامان کو بھی جدید بنائے جا رہے تھے۔ بالآخر یورپی اقوام نے علمی، سائنسی، معاشی اور جنگی بالادستی کی وجہ سے مسلمان حکومتوں پر غلبہ حاصل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرلیا۔ جب یورپ میں جدید علوم کی یونیورسٹیاں ترقی پا رہی تھیں ہندوستان کے مسلمان حکمران طبقات اپنے بہت سے سپوتوں کو تہذیب اور آداب سکھانے کے لیے طوائفوں کی شاگردی میں دے رہے تھے۔

جب برطانیہ نے ہندوستان میں انیسویں صدی کے نااہل حکمرانوں کی سلطنت پر قبضہ جمالیا تو مسلمانوں نے مغرب سے نفرت کے اظہار کے طور پر اسلام کی قدامت پسند تعبیر میں سکون اور پناہ ڈھونڈی۔ چنانچہ قدامت پسند تعبیر کی اشاعت کے لیے بہت سے تعلیمی ادارے قائم کیے۔ شاعروں نے اللہ سے شکوے کیے۔ کچھ مسلمان رہنماؤں نے (سوائے سرسید احمد خان کے گروہ کے) اپنی کمزوریوں کو شمشیر وسناں کی طاقت سے دور کرنے کی ٹھانی۔ مسلمانوں نے کبھی یہ تسلیم نہیں کیا کہ ان کی پسماندگی میں ان کا بھی کوئی قصور ہے۔ معدودے چند جو قصور تسلیم کرتے ہیں وہ اس کی بڑی ذمہ داری یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں پر عائد کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ غیر مسلموں نے سازش کے ذریعے انہیں پسماندہ بنادیا۔

مسلمانوں کے بااثر حلقے اس مسئلے پر یکسو نہیں کہ اپنی کمزوریوں کو دور کرنے اور ترقی حاصل کرنے کے لیے کیا عملی اقدامات اٹھانے چاہئیں۔ حال ہی میں دوسری قوموں نے کشمیر، افغانستان، فلسطین اور چیچنیا وغیرہ کے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے ان کا اثر یوں قبول کیا گیا کہ ان سے بدلہ لیا جائے۔ اس عمل میں ان مسلمان تارکین وطن نے مالی مدد دی جو ملازمت یا مادی ترقی حاصل کرنے کے لیے مغربی ممالک میں سکونت اختیار کر چکے تھے۔

پس مسلم اقوام کی کمزوری کی ایک بڑی وجہ مسلم معاشروں میں جدید دور کے تقاضوں کے مطابق نئے علوم کو فروغ حاصل نہ ہونا ہے چند کلمہ گو یقیناً صاحب علم ہوگئے ہیں مگر مسلم معاشروں میں جدید علوم نے ایک باقاعدہ تحریک کی حیثیت اختیار نہیں کی۔

(جنوری 2004ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احیائے علوم۔ یورپ اور مسلم دنیا میں

یورپ میں چھ صدیاں قبل احیائے علوم کی تحریک کی شروعات ہوئی اس دور کی معاشرتی ساخت کا مختصر ذکر پیش خدمت ہے۔ مقصود یورپ اور مسلم معاشروں کی اس دور کی ساختوں کا تقابل ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ معاشرتی ساخت کا نظام تعلیم اور انسانی افکار کی نوعیت پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ یورپ میں سماجی اور معاشی حیثیت کی مالک چار قوتیں پائی جاتی تھیں۔ پہلی قوت روم کے کلیسا کا پوپ تھا، دوسری طاقت یورپی مملکتوں کے بادشاہ تیسری فیوڈل طبقہ اور چوتھی طاقت مقامی چرچ تھا جو عام طور پر بڑی اراضی کا مالک ہوتا تھا۔ فیوڈل اپنی زمین کا کلی مالک اور مختار ہوتا تھا۔ محنت کش مزارع جو فیوڈل کی زمین کاشت کرتا تھا بڑا مظلوم اور سب حقوق سے محروم تھا۔ فیوڈل طبقہ بیک وقت دو بالا دست قوتوں کو ٹیکس ادا کرتا تھا یعنی اپنے ملک کے بادشاہ کو اور پاپائے روم کو۔ اس دوہرے ٹیکس سے وہ نالاں تھا۔ پوپ کو مقامی چرچ کی زرعی اراضی سے بھی آمدن وصول ہوتی تھی۔ بادشاہ کا بھی پوپ سے ٹکراؤ تھا جو فیوڈل سے ٹیکس وصول کرتا تھا اور اس طرح شاہی خزانہ بڑھانے کی راہ میں رکاوٹ تھا۔ پاپائے روم عام عیسائیوں کو جنت کا سرٹیفکیٹ جاری کیا کرتا تھا۔ ایک عام عیسائی پاپائے روم کی ناراضی کا خطرہ مول نہ لے سکتا تھا۔ پاپائے روم یورپی بادشاہوں کی حکمرانی کو تسلیم کرنے کے لیے سرٹیفکیٹ بھی جاری کرتا تھا۔ اب ہم یہ جائزہ لیں گے کہ اس معاشرتی ساخت کو چیلنج کیسے شروع ہوا۔

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کی عربی میں لکھی ہوئی اور پرانے یونانی فلاسفروں کی کتب کا مقامی زبانوں میں ترجمہ شروع ہوا۔ یورپ کی خوش قسمتی سے ۱۴۵۰ء میں پرنٹنگ مشین ایجاد ہوگئی جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جسمانی محنت سے چلتی تھی تب کے مزاج کے مطابق چھپنے والی پہلی کتاب بائبل تھی مگر جلد ہی ادب، فلسفے اور ریاضی کی کتابوں کی اشاعت بھی شروع ہوگئی جس سے شعور بڑھنے لگا۔ اسی دور میں اخبارات کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ یوں نئے تعلیم یافتہ طبقات میں سوچنے کی صلاحیت پیدا ہونے لگی۔

ظاہر ہے کہ جب شعور کے دروازے کھل گئے تو غور وفکر کا دائرہ کسی ایک شعبہ زندگی تک محدود نہ رہا۔ اس دائرے میں ادب، روایتی سوچ، سیاسی معاملات، معاشی معاملات، مظاہر فطرت کا مطالعہ اور فزیکل سائنس سب ہی شامل ہوگئے۔ حتیٰ کہ مذہب کی روایتی تنگ نظر تعبیر پر بھی غور وخوض شروع ہوگیا۔ فطری نتیجے کے طور پر پوپ کے اختیارات پر تنقید شروع ہو گئی۔ پندرھویں صدی کے اواخر میں امریکہ کی دریافت سے یورپی بادشاہوں کو نئے علاقوں میں اپنا دائرہ اثر بڑھانے کا موقع میسر آ گیا، جہاں پاپائے روم کا اثر موجود نہ تھا۔ اسی دہائی میں ہندوستان کا سمندری راستہ بھی دریافت ہوگیا۔ اس دریافت کی وجہ سے یورپی تاجروں کو خشکی کے ذریعے ہندوستان پہنچنے کی مجبوری نہ رہی اور وہ ان علاقوں سے گزرنے پر مجبور نہ تھے جہاں مسلمان سلطانوں کی حکومت تھی۔ (امریکا اور ہندوستان کی دریافت کے وقت جو بحری جہاز استعمال ہوئے وہ بادبانی تھے)۔

سولہویں صدی عیسوی میں پروٹیسٹنٹ کے نام سے عیسائیت کی نئی تعبیر نے پاپائے روم کی طاقت کو چیلنج کیا۔ اسی دوران میں پوپ کی طاقت کو بہت سی دوسری قوتوں کی طرف سے چیلنج ہونے لگا۔ ایک جانب نئے تعلیم یافتہ عوام تھے دوسری جانب دوہرا ٹیکس برداشت کرنے والے تھے۔ تیسری جانب بادشاہ تھے جنہیں تاجروں اور نئے صنعت کاروں کی حمایت حاصل تھی۔

نئی ابھرتی سماجی طبقوں کی قوت میں اس وقت اضافہ ہوگیا جب صنعتی کارخانوں کو کوئلے کی بھاپ اور خودکار مشینوں کے استعمال سے ترقی ملی۔ صنعتوں کے مالک سرمایہ دار طبقے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مفادات کا ٹکراؤ مقامی فیوڈل اور پاپائے روم سے نمایاں تر ہو گیا۔

تبدیلی کے عمل میں سماج کے مختلف طبقات میں ٹکراؤ کی فضا ہمیشہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔ پوپ کے بادشاہوں میں سترھویں صدی کے اوائل میں تیس سال تک باہمی جنگ جاری رہی۔ اس جنگ کی دوسری وجوہ کے علاوہ ایک وجہ پاپائے روم کی بالادستی کا مسئلہ تھا۔ بعض بادشاہ اس کو چیلنج کرتے تھے اور بعض کسی نہ کسی شکل میں تعلق برقرار رکھنے کے حامی تھے۔ 1648ء میں ویسٹ فالیہ کا معاہدہ طے پایا جس میں یہ تسلیم کر لیا گیا کہ عیسائی ممالک کے بادشاہ پاپائے روم کے سیاسی اثر سے آزاد ہوں گے گویا بادشاہت کے جواز کے لیے پاپائے روم کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہ رہی۔

خودکار مشینی وسائل کی کوکھ سے پیدا ہونے والے سرمایہ دارانہ نظام کے سیاسی نتیجے کے طور پر قومی ریاست وجود میں آئی جس نے پاپائے روم کا کردار مذہبی معاملات تک محدود کر دیا، مقامی چرچ کا بھی مملکت کے بادشاہ سے ایک ٹکراؤ موجود تھا۔ نظم ونسق کی ذمہ داری بادشاہ کی تھی مگر دیرینہ رسم کے تحت بہت سے مجرم مقامی چرچ میں پناہ ڈھونڈھ لیتے تھے۔ اس صورت میں بادشاہ خود کو بے بس پاتا کیونکہ مقامی چرچ براہ راست پاپائے روم کے زیر اثر ہوتا تھا گویا صنعتوں کے فروغ کے لیے درکار نظم ونسق کے قیام میں چرچ حائل ثابت ہوئے۔ بہت سے یورپی ملکوں نے اس مشکل کا حل یہ ڈھونڈا کہ اپنے اپنے علاقے کے چرچوں کا تعلق پاپائے روم سے توڑ دیا۔ اپنے ملک کے مذہبی رہنما کے تقرر کا اختیار بادشاہ نے اپنے اختیار میں شامل کر لیا۔

اب ہم مسلم سلطنتوں کی سماجی ساخت کا ذکر کریں گے تاکہ طاقت کے مراکز کی نشاندہی ہو سکے۔ اسلام نظری طور پر مذہب کے پیشہ ور رہنماؤں کے الگ وجود کا قائل نہیں چنانچہ مسلمانوں کی سلطنت پر کسی بالادست مذہبی راہنما کا حق واختیار موجود نہ تھا۔ سیاسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طاقت بلاشرکت غیرے حکمران کے پاس تھی مگر مسلمان حکمران تھیوری کی حد تک نظم ونسق اسلامی قوانین (فقہ) کے مطابق طے کرنے کا پابند تھا۔ البتہ فقہ کی وضاحت اور نفاذ کا اختیار قاضی کے ہاتھ میں ہوتا تھا جس کے تقرر کا اختیار طاقتور سیاسی حکمران کے پاس تھا۔ تقرر کے اس اختیار کی وجہ سے عام طور پر قانون کی تشریح اور نفاذ میں بالادست قوتوں کے مفادات کے تحفظ کا سامان ہوگیا۔ عام طور پر قاضی حکمران کے مفاد کے خلاف اظہار رائے کی جسارت نہ کرتا۔ مستثنیات شاذ و نادر تھیں۔ فقہ کے معاملے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کی کوئی متفق علیہ تعبیر اور تشریح موجود نہ تھی مختلف فقیہ اپنی اپنی فہم کے مطابق فقہ کی تعبیر کرتے تھے۔ مسلم علاقوں میں فقہ کی بیسیوں تعبیریں موجود تھیں بعض فقہی تعبیریں دو دو تین تین سو سال تک موثر رہنے کے بعد اپنا وجود کھو گئیں۔

یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ میں مفتوحہ علاقوں کی زرعی اراضی کی ملکیت کا کلی اختیار فاتح سلطان کے پاس ہوتا تھا جو اسے جس طرح چاہے تقسیم کرسکتا تھا۔

یہ چند وجوہ تھیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کا حکمران ہمہ مقتدر ہوا کرتا تھا اس کی طاقت کو اپنی سلطنت کے اندر سے کسی نظریے یا طبقاتی قوت کی طرف سے خطرہ لاحق نہ تھا۔ جو بھی چیلنج تھا وہ اقتدار کے بھوکے کسی مخالف یا باغی کی فوج کشی سے ہوتا تھا جو بادشاہ کی سلطنت پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ اس کا مقصد کبھی رائج سیاسی نظام میں بنیادی تبدیلی پیدا کرنا نہ ہوتا تھا۔ یوں مسلمان سلطانوں کے اقتدار میں دوسرے ریاستی ادارے شرکت نہ پاسکے جو ٹکراؤ کی فضا پیدا کرکے سماجی تبدیلی کا موقع اجاگر کرتے۔

معاشی اور معاشرتی ترقی میں ایجادات کا اہم کردار ہوا کرتا ہے۔ برقی ایجادات نے اس کردار کو مزید اہم کردیا۔ یہاں اتنا ذکر کافی ہوگا کہ اٹھارھویں صدی کے اوائل میں کوئلے کی بھاپ کا صنعتی استعمال شروع ہوگیا مگر یہ یورپ میں ہوا، کسی مسلمان ملک میں نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئلے کی بھاپ کا صنعتی استعمال شروع ہوگیا مگر یہ یورپ میں ہوا، کسی مسلمان ملک میں نہیں۔ 1860ء میں بھاپ سے بجلی پیدا کی جانے لگی یہ کام بھی یورپ میں ہوا۔ انیسویں صدی کے اواخر میں ہائیڈرو بجلی ایجاد ہوئی یہ کام بھی یورپ میں ہوا۔ توانائی کی ان تمام صورتوں نے صنعتی پیداوار میں بے حد وحساب اضافہ کر دیا۔ مسلمان ملکوں میں ایران واحد ملک تھا جس میں ہوا کے ذریعے پیدا کردہ توانائی کا استعمال کیا گیا مگر یہ توانائی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہوسکتی تھی۔ اس لیے اس کا کوئی بڑا صنعتی اور معاشی اثر مرتب نہ ہوا۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں مذہبی رہنما کا سیاسی زندگی میں کوئی مرکزی کردار نہ تھا شاید اسی لیے ان کا حکومتی سربراہ کے ساتھ دوررس نتائج کا حامل ٹکراؤ نہ ہوا۔ قاضی، مفتی اور محتسب حکمران کے مقرر کردہ اور مراعات یافتہ ملازم تھے۔ انہوں نے اسلام کی تعلیمات میں کوئی ایسی نئی تعبیر پیش کرنے کی جسارت نہ کی جس سے حکمران طبقے کے مفادات کو مستقل نوعیت کا خطرہ لاحق ہو۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا زرعی اراضی کی تقسیم کا اختیار بھی فاتح مسلمان حکمران کے پاس ہوتا تھا۔ اس کے برعکس یورپ میں پوپ، بادشاہ، فیوڈل اور صنعت کار کے ٹکراؤ سے جو تبدیلی واقع ہوئی اس کے متعدد دوررس اثرات نکلے۔ ایک جانب آزادی کی فضا قائم ہوئی دوسری جانب علوم وفنون اور سائنس نے ترقی پائی اور تیسری جانب مذہب کی تعبیر وقت کے بدلتے تقاضوں کے مطابق پرورش پانے لگی۔ اٹھارھویں صدی میں یہ عمل تیزی سے جاری ہو چکا تھا اور انیسویں صدی میں تیز تر ہوگیا۔ مسلمان مملکتوں میں آزادی کی یہ فضا میسر ہی نہ ہوئی اس لیے معاشرتی اور سیاسی علوم اور مذہبی تعبیر میں جمود جاری رہا۔

انیسویں صدی میں مسلم دنیا میں جدیدیت کا تصور پیش کرنے والوں میں جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ بڑے نام ہیں۔ ان دونوں کے کچھ شاگرد بھی پیدا ہوئے جو بڑی شہرت پیچھے نہ چھوڑ سکے۔ یہ دونوں سکالر اسلام میں اجتہاد کے زبردست حامی تھے۔ جمال الدین افغانی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یورپ کی ترقی کے اسباب میں لوتھر کے ترمیم شدہ عیسائی عقائد کو بڑا اہم تصور کرتے تھے۔ مصر کے محمد عبدہٗ اسلامی تعلیمات کی سب سے بڑی یونیورسٹی میں جدید سماجی تعلیم کو داخل نصاب کرنے کے لیے لمبے عرصے تک جدوجہد کرتے رہے مگر وہ الازہر یونیورسٹی کے اساتذہ اور منتظمین کو قائل نہ کر سکے۔

مذکورہ دونوں اسکالروں اوران کے شاگردوں کی فاضلانہ کوششیں مسلم معاشروں میں کوئی گہرا اور دور رس اثر مرتب نہ کرسکیں۔ اسلامی سوشیالوجی کے شعبے میں ایران کے پروفیسر ڈاکٹر علی شریعتی اہم نظریاتی انقلابی تھے۔ پروفیسر صاحب شاہ ایران کے دور میں لندن میں قتل ہوئے۔ ان کے ایک شاگرد بنی صدر امام خمینی کے انقلاب ایران کے بعد ملک کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ آپ روایت پرست قوتوں کو قابل قبول نہ تھے۔ بنی صدر دوران صدارت میں بھاگ کر فرانس میں پناہ گزین ہوئے۔ ڈاکٹر علی شریعتی کے نظریات کی دعویدار سیاسی جماعت مجاہدین خلق زیر زمین چلی گئی۔ اس تنظیم کے بعض پیروکاروں نے دہشت گردی کی راہ اپنالی۔

دکھ کی بات یہ ہے کہ ہم مسلمان یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ ہماری پسماندگی کی وجوہ میں اس جمود کا اہم کردار ہے جو علوم وفنون پر چھایا ہے۔ ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ ہماری پسماندگی میں معاشرتی ساخت کا کردار ہے جس نے معاشی اور سیاسی ارتقاء کو روکا۔ اس کے برعکس ہم مسلمان اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے عجیب وغریب دلائل پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مسلمانوں کے کلچر کا تقاضا یہ ہے کہ مسلم معاشرے کا مرکز مضبوط ہو اور پھر ہم اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے یہ حل پیش کرتے ہیں کہ سب مسلم ریاستیں اپنی خصوصیات اور مفادات کو بھول کر مسلم امہ کا اتحاد مضبوط کرلیں۔ خیال رہے کہ ہم اگر کہیں کمزوری محسوس کرتے ہیں تو وہ علمی اور فکری نہیں بلکہ فزیکل سائنس اور ٹیکنالوجی کی ہیں۔ ان شعبہ جات کی کمزوری دور کرنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ جدید ٹیکنالوجی کو ہم روایت پرست نظریات کے فروغ کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ چنانچہ ٹیکنالوجی کا استعمال معاشی شعبے کے لیے بہتر نتائج پیدا کرنے کی بجائے جدید افکار کے فروغ میں رکاوٹ ثابت ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ افکار کی یہ کمزوری بالواسطہ معاشی اور سیاسی ارتقاء کے عمل پر بھی برا اثر مرتب کرتی ہے۔ ہم مسلمانوں کی علمی اور فکری کمزوری کا دائرہ پہلے ہی بڑا وسیع ہے۔ پہلے سے موجود مسائل کو ہم سمجھ نہ پائے تھے کہ ایک نیا اور بڑا مسئلہ سامنے آ گیا ہے۔ میرا اشارہ گلوبلائزیشن کی جانب ہے۔ یہ مسئلہ اتنے بڑے اور نئے نظریاتی، سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل کو اٹھانے والا ہے جن کے لیے مسلم اقوام تیار نہیں۔ میری رائے میں ان مسائل پر واضح فکری سمت اختیار کرنا اس وقت تک آسان نہ ہوگا جب تک مسلمانوں میں جدید خطوط پر سماجی علوم کو فروغ حاصل نہیں ہوتا۔

(فروری 2004ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاکستان میں فروغ علم کے امکانات

اب ہم پاکستان میں جدید سماجی علوم کے فروغ کے امکانات کا جائزہ لیں گے۔ فروغ علم کے بغیر توقع کرنا کہ مسلم اقوام عالمی گاؤں میں عزت پائیں گی عبث ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بعض عالمی طاقتیں کئی علاقوں کے مسلمانوں پر ظلم ڈھا رہی ہیں، ان کے حقوق سلب کر رہی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مسلمان ظلم کو دعوت دینے والی کمزوری میں مبتلا کیوں ہیں۔ راقم کی نظر میں کمزوری بنیادی طور پر ہمارے علم اور سائنس کی پسماندگی کی وجہ سے ہے۔ پسماندگی پیدا کرنے میں ہماری سوچ اور روایتی مذہبی افکار نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ زیر نظر سطور میں اس امر پر غور کیا گیا ہے کہ کیا پاکستان میں مستقبل قریب میں جدید سماجی علوم کو فروغ حاصل ہوگا اور کیا اسلامی افکار کی ایسی تعبیر ممکن ہوگی جس سے ہمارے معاشرہ کا رخ اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی جانب مڑ جائے۔

ملائشیا جدیدیت کے اس رخ پر چل کر ترقی پا سکتا ہے جس پر مہاتیر محمد نے اسے ڈال دیا ہے۔ ترکی یورپی کامن مارکیٹ میں شامل ہونے کے لیے ایسے ایسے اقدامات کر رہا ہے جو پاکستان کے دینی رہنماؤں کو ناپسند ہیں۔ عرب ممالک جس نئی نفسیاتی صورت حال سے دوچار ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے ملک ایک بار پھر عرب نیشنلزم کی جانب راغب ہوں گے۔ پاکستان اپنے مخصوص حالات میں اور بالخصوص پچھلی تین دہائیوں سے جس نفسیاتی کیفیت میں رکھا گیا ہے اور جس طرح پرائیویٹ تنظیموں کے ذریعے گوریلا جنگ کے کلچر کو فروغ دیا گیا ہے اس صورت حال نے اندرون ملک پائی جانے والی مشکلات مثلاً فرقہ پرستی، نسلی اور لسانی اختلافات کو تشدد کا رنگ دیا ہے اور سماجی ترقی کے عمل کو عارضی طور پر پیچھے دھکیل دیا ہے جب کہ پاکستان کے اندرونی استحکام کے لیے ان مسائل کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ ان مسائل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حل اور ترقی کے لیے درکار صلاحیت، جذبہ اور نفسیاتی کیفیت جدید علوم وفنون کے فروغ ہی میں ممکن ہیں۔

پاکستان اور بڑی حد تک برصغیر کے مسلم افکار نے وقت کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دیا۔یعنی ہم مسلمانوں نے سماجی سوچ، معاشرتی ترقی اور معاشی عمل میں تیزی پیدا نہیں کی جس کا مطالبہ نئی سائنسی ایجادات نے کیا۔ہم نے ان تقاضوں کو پہچانا ہی نہیں جو نئی ایجادات نے اٹھائے۔بہت سی غیر مسلم قوموں نے ایجادات کے تقاضوں کے مطابق اپنے افکار اور سماجی، معاشی اور انتظامی نظاموں کو جدید بنا لیا مگر ہماری سماجی سوچ اس روایتی مذہبی سوچ کا اثر قبول کیے رہی جس میں گزشتہ تقریباً آٹھ سو سال میں اہم ترقی نہیں ہوئی۔یوں بھی کلچر کے بہت سے شعبے کبھی اس رفتار سے آگے نہیں بڑھا کرتے جس سے پیداواری وسائل میں تبدیلی کے نئے تقاضے پیدا ہوتے ہیں۔بالخصوص مذہب کی جمود یافتہ تعبیر جو ذہنی کیفیت پیدا کرتی ہے اس میں فکری تبدیلی کے لیے دشواریاں کئی گنا زیادہ ہوتی ہیں کیوں کہ عقیدہ ہی پر مذہب کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے بہت کم لوگوں میں یہ علمی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ عقیدہ کی بنیاد اور اس کی فروعی تفاسیر میں فرق روا رکھ سکیں۔

بہت سی فروعی تفاسیر کو وقت کے تقاضوں کے مطابق نئی تعبیر سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔افسوس یہ ہے کہ نئی تعبیر کے معاملے میں دینی حلقوں میں ہچکچاہٹ پائی جاتی ہے۔اول تو وہ نئی تعبیر ہی سے گریز کرتے ہیں۔اگر نئی تعبیر کی کاوش کریں تو وہ ادھوری ہوتی ہے اور نئے بدلتے تقاضوں کو ضرورت کے مطابق پورا نہیں کرتی۔اگر کوئی شخص جو ان کے حلقے سے باہر ہو ایسی کوئی جسارت کرے تو وہ اسے تسلیم نہیں کرتے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام کی نئی تعبیر کی متعدد کوششیں کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔

مذہب کے افکار میں بڑی تبدیلی سردست عیسائی مذہب نے پیش کی ہے۔سب

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پہلے یورپ میں نئے علوم کو فروغ حاصل ہوا۔ فکری آزادی اور پیداواری وسائل کی ترقی نے سماج میں جو تبدیلیاں پیدا کیں انہوں نے روایتی مذہبی افکار کو چیلنج کیا۔

سماجی علوم کے کئی ماہرین کی رائے میں مستقبل قریب میں پاکستان اور متعدد مسلم ممالک میں جدید سماجی علوم منظم تحریک کی شکل میں ترقی نہیں کریں گے۔ یہ کہنا کہ پاکستان میں ان مسائل کی فہم رکھنے والے افراد بالکل ناپید ہیں، صحیح نہیں۔ مگر ہمارے یہاں مشکل یہ رہی ہے کہ خود ریاست نے دوقومی نظریے کی ایسی تعبیر شروع کر دی جس سے جمود یافتہ افکار کو تقویت ملی۔ پرائیویٹ جہادی تنظیموں اور مسلح افواج میں دفاعی مقصد سے ان افکار کی سرکاری سرپرستی کی گئی۔ نتیجۃً جدیدیت پسند بیسیوں اسکالر جن میں سرسید احمد خان اور علامہ اقبال شامل ہیں، کے روشن خیال مذہبی افکار اپنا اثر ونفوذ کھو گئے۔ سرسید احمد خان کی پیش کردہ مذہبی تعبیر روایتی نظریات کے نیچے دب گئی۔ علامہ اقبالؒ کی فلسفیانہ تعبیر جو انگریزی زبان میں تھی فارسی شاعری کی روایت پرست تعبیر کے ذریعے بے اثر ہو گئی۔

اب ہم جائزہ لیں گے کہ جدیدیت پسند اسلامی تعبیر کی راہ میں کون کون سی دوسری دشواریاں حائل ہیں۔ اس سلسلہ میں سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ نے لینڈ ریفارم کے قانون کو غیر اسلامی قرار دے کر سماج اور سیاست میں بڑے زمینداروں کی گرفت کو مستحکم کیا ہے۔ مسلم تارکین وطن جو یورپ، امریکہ اور دوسرے خوشحال ممالک میں نقل مکانی کر چکے ہیں، ان میں بہت سے افراد ان اداروں کی مالی امداد کرتے ہیں جو روایتی مذہبی افکار کے فروغ میں مصروف ہیں۔ درحقیقت اس مدد کے ذریعے تارکین وطن اس تہذیب اور جنسی آزادی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں جو مغربی معاشروں میں پائی جاتی ہے۔

ماضی بعید کی مسلم تاریخ گواہ ہے کہ روایت پرست نظریات کو بڑی حد تک فروغ دلائل کی قوت سے حاصل ہوتا رہا ہے ہم عام طور پر اس فرق کو بھول جاتے ہیں جو دلائل اور علم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہوا کرتا ہے جب تک کوئی شخص علم کی گہرائی میں نہ اترے اور جدید سماجی علوم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ نہ کرے (یہاں زور تقابلی مطالعہ پر ہے) جدید تعبیر کے فروغ میں مشکلات درپیش رہیں گی۔ تاہم علم جدید ہو یا قدیم وہ اتنی دماغی صلاحیت ضرور اجاگر کر دیتا ہے کہ تعلیم یافتہ آدمی خوبصورت دلائل پیش کرنے کی صلاحیت پیدا کر لے۔ اگر دلائل سننے والا دلائل پیش کرنے والے آدمی سے علم میں کم ہو تو وہ دلائل ہی کو علم تصور کرتا ہے اور وہ اس کی ''علمیت'' کا قائل ہو جاتا ہے۔ یوں بھی مذہبی رسومات کے بہت سے پہلو ایسے ہوتے ہیں مثلاً وضو اور نماز کے صحت پر اچھے اثرات، اور کچھ خوراک مثلاً زیتون اور شہد کے صحت مند اثرات جو جدید سائنس نے قبول کیے ہیں۔ مزید براں قرآن مجید نے یقیناً کچھ ایسی باتیں کہی ہیں جن کی سائنسی تعبیر کی گئی۔ یہ ایسے دلکش پہلو ہیں جو عام مسلمان کے عقیدہ میں پختگی پیدا کرتے ہیں۔

میں عقیدے میں پختگی کا قائل ہوں مگر جس جانب میں توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ جدید سماجی علوم کے فروغ کا مسئلہ ہے۔ مزید براں معاملہ ان نئے مسائل کے حل کا ہے جو جدید سائنسی ایجادات نے پیدا کیے ہیں۔ چند توجہ طلب مسائل کا ذکر مناسب ہوگا۔ تجارتی اصول روایتی اخلاقی نوعیت کے نہیں رہے بلکہ مکینیکل ہو چکے ہیں۔ نئے معاشی رشتوں کی طرح کسی قوم کا اپنے معاشی اور سیاسی معاملات طے کرنے کا اختیار پہلے کے مقابلے میں محدود ہو چکا ہے۔ بہت سے معاملات اب بین الاقوامی ادارے طے کرتے ہیں اور ملک ان کی پابندی کرنے پر مجبور ہیں۔ قوانین اب صرف قومی ہی نہیں، عالمی بھی ہیں۔ تہذیب اب صرف قومی نہیں رہی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عالمی تہذیب بھی فروغ پا رہی ہے۔ اخلاقیات اور انصاف کے تصورات کا تعلق رحم اور شفقت کے جذبہ سے دور ہوتا جا رہا ہے اور قابلیت اور اہلیت (گویا طاقت) سے استوار ہوتا جا رہا ہے اور پھر ایک نیا اہم مسئلہ مستقبل کے عالمی گاؤں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے نئے تقاضوں کو پورا کرنے کا ہے۔ان امور کے بارے میں جدید تعبیر کی ضرورت ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام نے انسان دوستی، انصاف، رواداری، معاشرتی انصاف کی جن اقدار کو فروغ دینے کی تلقین کی ہے انہیں بروئے کار لانے کے لیے جدید قوانین، جدید قومی اور عالمی اداروں کے قیام کے لیے مسلمانوں میں فکری اور انتظامی صلاحیت پیدا ہو۔

سوال یہ ہے کہ اس ضرورت کو پورا کون کرے گا۔کیا ہم پاکستانی مسلمانوں میں اس ضرورت کا بھرپور احساس موجود ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ احساس ہوتا تو وہ عملی زندگی میں ایسے اداروں کو وجود میں لانے کا سبب بن چکا ہوتا۔ایسے اداروں کا مفقود ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ضرورت کا احساس بھرپور انداز میں موجود نہیں اور جن افراد میں یہ پایا جاتا ہے وہ وسائل کے مالک نہیں ہوتے کہ وہ اس معاملے میں قابل ذکر اور موثر کردار ادا کرسکیں۔

اگست 1947ء میں برٹش انڈیا اگرچہ ہر اعتبار سے جدید خطوط پر منظم ریاست نہ تھی تاہم بعض ایسی خصوصیات کی حامل تھی کہ اس کی جدید خطوط پر ترقی ممکن تھی۔یہاں انگریز کے قائم کردہ قانون کا احترام اور عملداری تھی، عدالتی نظام مؤثر تھا۔انتظامی ڈھانچا اگرچہ نو آبادیاتی تھا مگر خاصا بہتر تھا۔منظم سیاسی جماعتیں تھیں، آئین تھا، ریلوے تھی، سڑکیں اور پل تھے۔جدید بنک اور کاروباری ادارے تھے۔

حصول آزادی کے بعد ترقیاتی عمل تیز ہونے کے نتیجے میں اداروں اور قدروں کی کچھ نہ کچھ ٹوٹ پھوٹ ہونی ضروری تھی مگر پاکستان میں ایسا بھارت کی نسبت زیادہ ہوا۔اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ریاست خود ایسی نظریاتی بحث میں پھنس گئی جس کا کوئی واضح تصور اور قابل عمل خاکہ موجود نہ تھا۔شاید ریاست سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے نظریاتی معاملات کو طول دیتی رہی حالانکہ اس کے موثر حلقے بخوبی آگاہ تھے کہ اس کے پاس آج کے دور کے لیے اسلام کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متبادل سیاسی، معاشی، انتظامی اور قانونی ڈھانچا موجود نہیں۔ انتشار کی وجہ سے پاکستان میں انگریز کا قائم کردہ ڈھانچا کمزور سے کمزور ہوتا گیا۔ مزید براں جمہوری اقدار کا فقدان، فیوڈل اور قبائلی نظام کی موجودگی، چند غلط کار افراد کے ہاتھ میں ناجائز دولت کا ارتکاز، طویل فوجی آمریت، سیاست میں خفیہ اداروں کی بھرپور مداخلت، نااہل اور کمزور کردار کے قانون دانوں کا عدالتی نظام پر قبضہ یہ سب مسائل ایسے ہیں، جو نتائج کے اعتبار سے جمہوریت کے فروغ، سیاسی استحکام اور شفافیت کے نظام کی راہ میں حائل ہو چکے ہیں۔

اکیسویں صدی کے تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت تو بہت دور کی بات ہے، پاکستان سمیت بہت سے ممالک بیسویں صدی کے اوائل کے علوم اور اس دور کے سماجی، سیاسی اور معاشی اداروں کو چلانے کی استعداد سے بھی عاری ہیں۔ مگر یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ کم سے کم پاکستان کے حکمران طبقات یقیناً روایت پرست علماء کی نسبت ان معاملات کو بہتر سمجھتے ہیں۔ مگر مسئلہ اتنا آسان بھی نہیں اس لیے کہ حکمران طبقات نے اپنی کرپشن، جھوٹ اور دھوکے کی سیاست کے بار بار مظاہروں سے عوام میں بداعتمادی اور بہت سے شکوک وشبہات پیدا کر دیے ہیں۔ دوسری جانب سیاستدان (جن کی بڑی تعداد خفیہ ایجنسیوں کی مرہون منت ہے) اس اخلاقی قوت کے مالک نہیں کہ وہ سماج میں نئے تقاضوں سے ہم آہنگ تبدیلی لا سکیں۔ اس کے برعکس ہم دیکھ رہے ہیں کہ دلائل سے آراستہ روایت پرست ایسی تنظیمیں قائم کر رہے ہیں جو کچھ عوامی حلقوں میں مقبولیت رکھتی ہیں۔ مغربی طاقتوں کے مسلم اقوام پر ظلم اور مغربی تہذیب کے منفی پہلوؤں کی وجہ سے بڑھتی ہوئی نفرت ان تنظیموں کے مڈل کلاس اور امیر طبقے کے درمیان اثر ورسوخ پیدا کر رہی ہے چنانچہ ایسی تنظیموں کے لیے مالی وسائل اور کارکنوں کی کمی نہیں۔

سرکاری سرپرستی میں چلنے والے اسلامی علوم کے بہت سے ادارے مثلاً اسلام آباد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں قائم انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اگرچہ خود کو ترقی پسند اور جدید کہلوانے پر مصر ہیں مگر ان کے ہاں بھی ایسی تعلیم کا انتظام نہیں جو سائنسی ایجادات اور گلوبلائزیشن سے مرتب ہونے والے اثرات اور نتائج سے آگاہی بخش سکے اور ان کے حل کے لیے لائحہ عمل تجویز کر سکے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ مستقبل قریب میں روشن خیال مذہب کی تعبیر کا مقبول ہونا آسان نہ ہوگا۔ مسلم عوام کی عجیب وغریب صورت حال ہے۔ غیر تعلیم یافتہ عوام مذہبی رسوم کی پابندی میں راسخ نہیں، وہ اسلامی نظریات کی تفصیلات سے بھی پوری آگاہی نہیں رکھتے، مگر جن عقائد اور رسوم کو وہ اپنی فہم کے مطابق اسلامی سمجھتے ہیں ان سے گہرا جذباتی تعلق رکھتے ہیں۔ میرے مشاہدہ کے مطابق معاشرتی ذمہ داری اور بنی نوع انسان سے محبت کے معاملات عام طور پر مسلمانوں کی اولین اقدار میں شامل نہیں۔ اللہ کا خوف اور دوزخ کا ڈر عام ہونے کے باوجود مسلم عوام ان کاموں سے اجتناب نہیں کرتے جو ان کی معلومات کے مطابق ممنوع ہیں۔ البتہ عام مسلمان تصوف کی بگڑی ہوئی شکل مثلاً پیری مریدی کے قائل ہیں۔ مشہور صوفیاء کے مزاروں پر حاضر ہونا اور دعائیں مانگنا ہمیں روحانی سکون بخشتا ہے۔

مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ہماری سوسائٹی میں پڑھے لکھے طبقے میں مذہب کے بارے میں دو طرح کے رجحانات ابھر رہے ہیں۔ ایک جانب مذہب سے بیگانگی بڑھ رہی ہے دوسری جانب عبادت گزاروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جنوبی ایشیا کی مسلم سوسائٹی ایک نئی صورت حال سے دوچار ہے جو توجہ طلب ہے۔ عبادت گزاروں کی تعداد میں اضافہ قابل فہم ہے۔ یہ عالمی رجحان ہے۔ غیر مسلم اقوام کے نوجوان بھی اپنی اپنی مذہبی عبادتوں کی جانب مائل ہوئے ہیں۔ جدید تہذیب نے انسان کو اعصابی تناؤ سے دوچار کر دیا ہے۔ اسے اب روحانی سکون کی تلاش ہے۔

ہمارے یہاں مذہب سے بیگانگی کی وجہ کیا ہے؟ کیا یہ اس لیے ہے کہ جدید ذہن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایتی تعبیر اور عبادت گزاروں کے سماجی رویوں سے مطمئن نہیں؟

جب تک مذہب کو سوشلزم کے نظریہ کا چیلنج رہا مسلم معاشروں میں اسلام پسند اور سوشلزم پسند گروہوں کے مابین بحث کا جوش وخروش پایا جاتا تھا جواب موجود نہیں۔ اس عرصہ میں سائنسی ایجادات کی ترقی کی وجہ سے ٹیلی ویژن، کیبل، کمپیوٹر، ویب سائٹ کے فروغ نے سماجی رجحانات کا رخ بدل دیا۔ ایک جانب فلموں، ڈراموں اور ناچ گانوں کے کلچر کو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی مگر ساتھ ہی جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے مذہبی روایات اور رسوم کی نشرواشاعت کا نیا اور بہت بڑا ذریعہ بھی وجود میں آ گیا۔ مسلمان سرمایہ داروں کے قائم کردہ بہت سے ٹی وی چینلز بیک وقت دونوں طرز کے پروگرام نشر کر رہے ہیں۔ سوائے معدودے چند کے عام مسلمان فلموں اور گانوں کو پسند کرتے ہیں۔

اب ہم دوبارہ اصل مسئلے یعنی مسلم معاشروں کو جدید بنانے کے مسئلے پر غور وخوض کریں گے۔ تقریباً تمام مسلمان ممالک میں حکمران اور بالادست گروہوں کا تعلق مفاد پرست طبقات یا مسلح افواج سے ہے، جنہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ جدید طرز کے صنعتی یا تجارتی شہروں اور فیوڈل یا قبائلی علاقوں میں معاشرتی فرق کو دور کیا جائے۔ اگرچہ شہروں میں لاکھوں افراد بھی تقلید پسند اور روایت پرست ہیں مگر پسماندہ علاقوں میں نئے خیالات قبول کرنے کی صلاحیت بہت کمزور ہے۔ مجھے یہ اصرار کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ مسلمان ممالک میں یہ احساس پیدا ہو چکا ہے کہ ان کے حکمران طبقات مفاد پرست، خودغرض اور لٹیرے ہیں۔ حکمران طبقات کے خلاف عوام میں غصہ اور ٹکراؤ کا جذبہ موجود ہے۔ دو چار ملکوں کو چھوڑ کر مسلمان ممالک میں سیاسی، انتظامی اور عدالتی نظام ناقص اور کمزور ہیں اور فی الواقع یہ ادارے حکمران طبقات کے آلۂ کار ہیں۔ اس لیے یہ امکان کم نظر آتا ہے کہ پُرامن اور جمہوری طریقے سے سماجی ارتقا داقع ہو۔ روایت پرست حلقوں کی سیاسی اور مسلح تنظیمیں اپنے اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملکوں میں عدم استحکام پیدا کر سکتی ہیں مگر وہ اس صلاحیت کی مالک نہیں کہ مروجہ نظاموں کی جگہ ایک متبادل جمہوری اور شفاف نظام قائم کر کے اپنے ملکوں کے عوام کو خوشحال اور مستحکم حکومت فراہم کر سکیں۔

اسلامی ممالک کے اندر بھی علاقوں کے مابین سماجی ترقی کی سطح یکساں نہیں۔ کئی علاقے زیادہ ترقی یافتہ اور جدید ہیں۔ شہروں کا کلچر دیہی علاقوں سے مختلف ہے۔ کئی صوبے اور علاقے سماجی سطح کے اعتبار سے صدیوں پیچھے ہیں۔ پاکستان کے اندر بھی مختلف علاقوں میں ترقیاتی سطح بلحاظ سماجی سوچ میں فرق پایا جاتا ہے۔ اگرچہ پاکستان جیسے ملک میں جمہوریت کی کچھ خصوصیات مثلاً انتخابات (غیر تسلی بخش سہی) کا انعقاد ہوتا ہے مگر غیر ترقی یافتہ علاقوں سے منتخب ہونے والے راہنما اپنے نظریات کے اعتبار سے قبائلی یا روایتی مذہبی نظریات کے حامی ہوتے ہیں۔ یہ صورت حال سیاسی عدم استحکام کی مختلف شکلوں میں بار بار ظاہر ہوتی ہے۔ یہ تناؤ زیادہ شدید صورت اختیار کرنے کا امکان رکھتا ہے۔ یہ ایسی صورت حال ہے جسے ہم اندرون ملک تہذیبوں کا ٹکراؤ بھی کہہ سکتے ہیں۔

روایتی تعبیر کئی صدیوں سے ہماری نفسیات کا حصہ بن چکی ہے۔ دوسری جانب عملی زندگی اس تعبیر کے مطابق نہیں۔ ہمارے اعمال اس تعبیر کے عام طور پر بالکل الٹ ہیں۔ مالی مفادات کے لیے ہم جھوٹ اور منافقت پر عمل پیرا ہیں۔ یہ بات ہمارے نظریات کے خلاف ہے۔ یوں ہمارے نظریہ اور عمل میں تضاد ہے۔ (یہ بات انوکھی نہیں، ہر روایتی سوسائٹی جب صنعتی ترقی اور اربن کلچر کی طرف بڑھتی ہے تو وہ اسی صورت حال سے دوچار ہوتی ہے) خیال رہے کہ ہمارے نظریات صنعتی انقلاب سے پہلے قائم ہوئے۔ اس وقت معاشرے میں تبدیلی سست رفتاری سے ہوتی تھی۔ اب جب کہ بعض اعتبار سے بڑی تبدیلی آ چکی ہے اور مستقبل میں بیرونی اثرات اور معاشی ترقی سے تبدیلی کی رفتار تیز تر ہوگی، یہ سوچنا ہوگا کہ ہمارے نظریات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیرونی اثرات اور معاشی ترقی سے تبدیلی کی رفتار تیز تر ہوگی، یہ سوچنا ہوگا کہ ہمارے نظریات اور عمل میں فرق کیسے دور ہو۔

تاہم یہ کہنا کہ روایت کے پابند افراد سب خوبیوں سے عاری ہوگئے ہیں، صحیح نہیں۔ بہت سے لوگ اپنی دولت سے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی کچھ نہ کچھ مدد کرتے ہیں جو خوبی کی بات ہے مگر مسلم معاشروں میں ایسے ادارے موجود نہیں کہ ضرورت مندوں کو اس قابل بنا دیں کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوکر احتیاج سے آزاد ہوجائیں۔

ان تضادات کا ہمیں شعور ہے مگر یہ شعور ہمیں اکثر اوقات صرف عبادت پر آمادہ کرتا ہے۔ عمل ہمیں صرف اتنا ہی آمادہ کرتا ہے کہ ہم کسی مصیبت زدہ کی کچھ نہ کچھ مدد کرکے اپنے ضمیر کی خلش کو دبادیں۔ اس کے برعکس یورپی اقوام میں نیا کلچر وجود میں آچکا ہے۔ وہاں مالی امداد کے بڑے بڑے رفاہی ادارے قائم ہیں۔ ہم مغرب کی تہذیب کے ان پہلوؤں کو نظر انداز کردیتے ہیں جو رفاہی جذبے، ریسرچ، ایجادات، محنت، جدید تعلیم کی خوبیاں رکھتا ہے۔ یہ مغرب کی رفاہی تنظیمیں ہی ہوتی ہیں جو مسلم ممالک میں قحط دور کرنے کے لیے عملی مدد دیتی ہیں اور اس مقصد کے لیے تکالیف برداشت کرتی ہیں۔

حالیہ چند سالوں میں دینی مدارس کے کورس میں کچھ ترامیم کرکے ریاضی، انگریزی زبان اور کمپیوٹر کی تعلیم شروع کی گئی ہے۔ یہ اچھی بات ہے مگر کافی نہیں۔ اگر ہمیں جدید اور تیزی سے ترقی پانے والی دنیا کے علمی اور ترقیاتی معیار کو حاصل کرنا ہے تو مدارس میں کچھ اور مضامین کا اضافہ کرنا ہوگا جس کے لیے موٹی موٹی کتابیں پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ کام سہل کتابچوں کی شکل میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ تجویز ہے کہ نئے مضامین میں مندرجہ ذیل موضوعات کو شامل کیا جائے۔

الف: تمام بڑی بڑی تہذیبوں کی تاریخ۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ب: جدید عالمی سیاست کے تقاضے۔

ج: سائنسی ایجادات کی تاریخ اور نئی ایجادات کے سماجی تقاضے۔

د: نئے ابھرتے ہوئے سماجی اور معاشی علوم کا تعارف۔

ر: گلوبلائزیشن کو فروغ دینے والی وجوہ۔

یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہیں کہ پاکستان کے پچیس ہزار دینی مدارس میں شاید ایک بھی مدرسہ ایسا نہیں جس نے اپنے نصاب میں اسلامی افکار کے تقابلی مطالعہ کا موضوع شامل کیا ہو اور جہاں سرسید احمد خان، عبیداللہ سندھی، علامہ محمد اقبال، غلام احمد پرویز، جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، ڈاکٹر علی شریعتی کے اجتہادی نظریات کو نصاب میں شامل کیا گیا ہو۔ اس صورت میں کیا راقم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب نہیں کہ مروجہ اسلامی افکار میں اجتہاد کی بڑی کوشش کامیاب نہ ہوگی۔ اجتہاد کے لیے جس وسعت نظر کی ضرورت ہوتی ہے وہ وسعت مطالعہ کے ساتھ تقابلی مطالعہ کا بھی مطالبہ کرتی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مذکورہ اسکالروں کے نظریات کی تفصیلات میں بڑا فرق موجود ہے جو ان کے علمی پس منظر کے فرق اور مشاہدے کی نوعیت کی وجہ سے ہے۔ علم اور مشاہدے کا اختلاف ہی فکر اور سوچ کے نئے نئے دریچے کھولتا ہے۔

خیال رہے کہ حالیہ دہائیوں میں سائنسی ایجادات نے قوموں کی سماجی، معاشی، علمی اور سیاسی زندگی پر جو اثرات مرتب کیے ہیں اور عالمگیریت کے رجحان میں تیزی پیدا کی ہے، یہ سب معاملات مذکورہ سکالروں کے بعد پیدا ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں ان معاملات پر اظہار خیال موجود نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب مسلم اقوام نے ان تقاضوں کو بھی پورا نہ کیا جن کی نشاندہی ہمارے مذکورہ اسکالروں نے کی تو پھر ہم مستقبل میں نمودار ہونے والے ان معاملات سے کیسے نبرد آزما ہوں گے جو ابھی ظہور پذیر ہونے والے ہیں اور فی الحال ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ بالا تجزیہ مایوس کن مستقبل کی پیش گوئی کرتا ہے مگر کیا روشنی کے کوئی امکانات ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ جدید علوم کے فروغ کی راہ میں پاکستان کی روایت پرست ریاست حائل رہی ہے۔ پاکستان کے لبرل اور جمہوری سیاست دان حکمران طبقہ کے آمرانہ اطوار کے خلاف جدوجہد میں مصروف رہے۔ اس جدوجہد میں انہوں نے روایت پرست قوتوں سے گٹھ جوڑ کیا۔ اس طرح انہوں نے اپنے لبرل نظریات کو سیاسی مفاد کی بھینٹ چڑھا دیا۔ گویا نہ صرف حکومت روایت پرست تھی بلکہ اس کے خلاف لبرل طبقات بھی اپنے نظریات سے پیچھے ہٹ گئے۔ راقم کی رائے میں جب تک ریاست اور سیاسی قوت کے حامل طبقات روایت پرست نظریات کی سرپرستی سے دست کش نہیں ہوتے جدید علوم کا احیاء کبھی تحریک کی شکل اختیار نہ کرے گا۔

جدید علوم اور نظریات کی کامیابی کے لیے ترقیاتی عمل کی تیزی ہمیشہ مفید ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ ترقیاتی عمل معیشت تک محدود نہیں ہوتا بلکہ موزوں ماحول کی فراہمی بھی اس کے دائرے میں شامل ہے جس سے ترقی اور استحکام آتا ہے۔ ماحول سے مراد آئینی اور قانونی ڈھانچا ہے۔ ماحول میں حکمت عملی اور وہ سب ادارے شامل ہیں جو مل کر نظام کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حکمت عملی اور اداروں کی ساخت جدید خطوط پر ہونی چاہیے۔ اس سارے عمل اور ماحول کے لیے ہم ترقیاتی کلچر کی اصطلاح بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ اس لیے جب ترقیاتی عمل اور ماحول استحکام اختیار کر لیتا ہے تو اس کے نتیجے میں جو قومی نفسیات پروان چڑھتی ہیں وہ ترقیاتی ہی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے ترقیاتی نفسیات پروان چڑھنے کے بعد روایتی نظریات پیچھے جانے لگتے ہیں۔ خیال رہے کہ راقم نے معاشی عمل اور معاشی ترقی دونوں اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ان دونوں اصطلاحات میں فرق ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ معاشی پیداوار میں اضافے سے غربت دور ہو یا سماجی انصاف قائم ہو۔ راقم کی نظر میں ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذمہ دار سوسائٹی میں معاشی پیداوار بڑھنے کے ساتھ ساتھ معاشی انصاف کی فراہمی کا بھی بندوبست ہونا چاہیے۔ منصفانہ معاشی عمل ہی حقیقی ترقی ہوتی ہے۔ اس بارے میں دو رائے نہیں کہ معاشی انصاف کی فراہمی اسلام کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔

فروغ علم کی بحث کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے اہم نکات کا اعادہ مناسب ہوگا۔ اول یہ کہ ریاست کو روایتی نظریات کے فروغ سے دست کش ہونا چاہیے۔ دوم یہ کہ ایسا ماحول قائم کرنا چاہیے جس میں شفاف معاشی اور جمہوری نظام فروغ اور استحکام پا سکے۔ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ پاکستان کے مخصوص حالات میں جمہوری عمل کو پس پشت ڈال کر معاشی عمل کو دیر تک جاری نہیں رکھا جا سکتا۔ ہمارے یہاں آمرانہ مداخلت اور عدم استحکام معاشی عمل کو متاثر کرتی رہی ہے۔ ہمارے ملک کا استحکام صرف معاشی عمل سے یا صرف جمہوری عمل سے ممکن نہیں بلکہ جمہوری عمل اور معاشی عمل دونوں مل کر استحکام لائیں گے۔

آخر میں یہ واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روشن خیالی سے ہماری مراد یہ نہیں کہ سب لوگ اپنے قدامت پسند مذہبی نظریات ترک کر دیں۔ شاید ایسا مغرب میں بھی نہیں ہوا۔ روشن خیالی سے مراد یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کے بااثر طبقات قدامت پسند نہ ہوں اور وہ ایسا سیاسی اور معاشی پروگرام نافذ نہ کریں جس سے قدامت پسندی کو فروغ حاصل ہو۔ جہاں تک فکری اور علمی معاملات کا تعلق ہے ان کی اشاعت کی آزادی پائی جائے یہ معاملات عوامی نہیں ہوتے۔ عوام عام طور پر روزمرہ کے معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں البتہ وہ اپنے عقائد پر جارحانہ حملہ برداشت نہیں کرتے۔ روشن خیالی کی شرط کا اطلاق بااثر طبقات ہی پر ہونا کافی ہوتا ہے جوں جوں سماج ترقی پاتا ہے عوام میں روشن خیالی بڑھتی رہتی ہے۔

(مارچ 2004ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتہاد یا الحاد

۱۹۹۰ء کے اوائل میں ڈاکٹر محمد یوسف گورایا نے اپنی کتاب ''اجتہاد یا الحاد'' کا مسودہ مجھے پڑھنے کے لیے دیا۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے ترکی کے مذہبی افکار کی کشمکش بیان کی تھی جس میں ایک طرف خلافت عثمانیہ کے حکمران اور جمود پرست علماء تھے اور دوسری جانب مذہبی افکار کی نئی تعبیر کے حامی افراد۔ میں ترکی کی تاریخ کا طالب علم نہ تھا ڈاکٹر صاحب نے میرے ذمہ جو کام لگایا اس کی ضرورت اس لیے پیدا ہوئی کہ ان کی صحت اچھی نہ تھی۔ ہر چند میں ڈاکٹر صاحب کے معاشی نظریات، جن کا انہوں نے اپنی کتاب میں سرسری ذکر کیا ہے، سے متفق نہ تھا۔ تاہم اس کتاب کے مسودہ کے مطالعے سے مجھے یہ سمجھنے میں مدد ملی کہ ترکی میں سیکولر نظام کے قیام کی وجہ کیا تھی؟

''اجتہاد اور الحاد'' کے مطالعہ سے پتا چلا کہ ترکی میں دوسو سال تک عہد ملوکیت کی فقہ کے علمبرداروں اور جدید علوم سے بہرہ ور روشن خیال مسلمانوں کے درمیان اسلام کی تعبیر کے بارے میں کشمکش جاری رہی۔ اٹھارھویں صدی کے اوائل میں خلافت عثمانیہ جمود و تعطل اور پسماندگی کا شکار ہو چکی تھی۔ معیشت پر غیر مسلموں کا غلبہ تھا۔ روایت پرست علماء نہ صرف نظام حکومت پر اثر انداز ہوتے تھے بلکہ عدلیہ پر بھی انہیں کنٹرول حاصل تھا۔ یہ علماء اسلام کے ابدی اصولوں اور سماجی ارتقاء کے تقاضوں سے منہ موڑ کر روایتی فقہ کی اندھی تقلید پر مصر رہے اور جدید سائنسی اور جمہوری دور کے تقاضوں کے مطابق اجتہاد کرنے کی ہر کوشش کی بھرپور مخالفت کرتے رہے۔ اس معاملہ میں انہیں ۱۸۲۶ء تک ترکی کی مذہبی فوج (ینی چری) کی پوری تائید اور حمایت بھی حاصل رہی۔ یہ فقہی بحثیں ۱۹۲۴ء میں آ کر ختم ہوئیں جب کمال اتاترک کی زیر قیادت گرینڈ نیشنل اسمبلی نے نظام خلافت کو منسوخ کر دیا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظاہر ہوا کہ اگر روایت پرست علماء سچے اور حقیقی اجتہاد کی راہ میں رکاوٹیں نہ ڈالتے تو ترک سلطنت اندرونی طور پر عدم استحکام کا شکار نہ ہوتی۔

مسلم ممالک میں برٹش انڈیا اور ترکی مغرب کی صنعتی تہذیب، جدید معیشت اور بدلے ہوئے معاشرے کے قوانین سے نسبتاً پہلے اور زیادہ روشناس ہوئے۔ مذہبی افکار میں تبدیلی کی ضرورت برٹش انڈیا کے مسلمانوں میں اس وقت بیدار ہوئی جب کمزور اور نااہل مغل دور حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اس صدمہ کے نتیجے سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک طبقے نے مسلمانوں کی عافیت عرب ملوکیت کے دور کی مذہبی تعلیمات کے ساتھ چمٹے رہنے میں محسوس کی۔ انہوں نے متعدد دینی مدرسے قائم کیے۔ مگر دوسری جانب جن افراد نے انیسویں صدی کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی نئی تعبیر کی ضرورت محسوس کی، بہت تھوڑے تھے۔ اس سلسلے میں سب سے بلند آواز سر سید احمد خان نے اٹھائی، نئی تعبیر کے حامی دوسرے افراد سر سید احمد خان کے نظریات کے سو فیصد قائل نہ تھے۔ ان میں جناب محسن الملک اور جناب امیر علی بھی تھے مگر یہ گروہ سر سید احمد خان کی اس رائے سے متفق تھا کہ معاشرے اور معیشت کو چلانے والے قواعد و ضوابط ہر دور کی ضرورت کے مطابق ہوتے ہیں۔ بالخصوص اسلامی تعزیراتی قوانین کے متعلق یہ سب متفق تھے کہ قوانین آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں عرب زمانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ عربی زبان کی معروف کلاسیکی کتاب ''المجر'' میں اس موضوع پر تفصیل سے پڑھا جاسکتا ہے۔ اس نظریے پر سب متفق تھے کہ اسلامی تعلیمات کی روح دائمی ہوتی ہے اور ان کا اطلاق سب زمانوں کے مسلمانوں اور سبھی انسانی معاشروں پر ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ پاکستان میں نفاذ اسلام کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات کی روح کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا ہے۔ جب ضیاء الحق نے حدود آرڈیننس جاری کر دیا تو سید ابوالاعلی مودودی، مفتی محمود اور متعدد دوسرے علماء ایک بار ان کے مداح بن گئے۔ یہ معاملہ الگ بحث طلب ہے کہ اسلام کے افکار نو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تحریک آگے بڑھنے کی بجائے پاکستان میں پیچھے کی طرف کیوں مڑ گئی۔ اب ہم موضوع کے اعتبار سے ترکی میں اسلامی افکار کی نئی تعبیر کی بات کرتے ہیں۔

ترکی میں اجتہاد کے سب سے بڑے علمبردار ضیاء گولب تھے جو ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے مگر ان کا علمی اور سیاسی کردار ۱۹۰۰ء میں شروع ہوا۔ ضیاء گولب کا خیال تھا کہ قدیم علم الکلام زوال پذیر تصوف اور عہد ملوکیت کی فقہ اپنی افادیت کھو چکے ہیں۔ اب ضرورت یہ ہے کہ نئے تقاضوں اور نئی ضرورتوں کے مطابق اجتہاد کا دروازہ کھول کر نئے قوانین اور ادارے قائم کیے جائیں۔ فقہ کے مفید عناصر سے جو عہد حاضر کی ترقی کا ساتھ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں فائدہ اٹھایا جائے اور علم الکلام کی پرانی بحثوں سے نجات حاصل کر کے سبک رفتاری کے ساتھ ترقی کی منازل طے کی جائیں۔ ضیا گولب نے بتایا کہ ثقافت سماجی زندگی کے آٹھ عناصر پر مشتمل ہے۔ یعنی مذہب، اخلاق، قانون، فکری رویے، فنون، معاشیات، زبان اور فنی مہارت۔ ثقافت قومی ہوتی ہے جبکہ تہذیب بین الاقوامی ہوتی ہے۔ تہذیب علم اور سائنس کے مجموعے کا نام ہے۔ جناب ضیاء گولب کی رائے کے مطابق مذہب عقائد اور عبادات کا نام ہے۔ وہ عیسائی یا مسلم تہذیب کے قائل نہیں۔ ان کے خیال میں ریاضیات، طبعیات، حیاتیات، نفسیات اور معاشریات جیسے اثباتی علوم کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ تعبیر ترکی کے سلطان اور شیخ الاسلام دونوں کے لیے قابل قبول نہ تھی اور پھر اسلام کی نئی تعبیر پیش کرنے والے آئین کی بالادستی اور جمہوریت کا مطالبہ کرتے تھے۔ نوجوانان ترک نے ۱۹۰۸ء میں اپنے مطالبے کے حق میں بغاوت کی۔ ترکی کے سلطان نے مجبوراً ۱۸۷۶ء کا آئین بحال کر دیا مگر ساتھ ہی اس نے نئی چال یہ چلی کہ درویشوں کی ایک پارٹی ''اتحاد محمدی'' کو یکتا سی درویش وحدتی کی قیادت میں آئینی اور جمہوری حکومت کو سبوتاژ کرنے کے لیے اکسایا جس نے آئینی حکومت کے خلاف ''پان اسلامزم'' کے نام پر استنبول میں بغاوت کر دی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جدیدیت پسند محمود شوکت پاشا فوج کو لے کر برق رفتار سے سالونیکا سے نکلا اور اس نام نہاد 'پان اسلامک' بغاوت کو کچل کر استنبول پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۲ء کے درمیان یونان اور دوسرے یورپی ممالک ترکی پر حملہ آور ہو کر اس کے بعض حصوں پر قابض ہو گئے۔ ترکی کا دفاع فوج نے مصطفیٰ کمال کی قیادت میں کیا۔ اس دوران میں ترکی پر عثمانی خلیفہ کی حکومت قائم تھی۔ اپریل ۱۹۲۰ء میں خلیفۃ المسلمین نے پارلیمان کو برطرف کر دیا۔ مگر وزیر اعظم مصطفیٰ کمال نے نیشنل اسمبلی کے انتخابات کی تیاریاں شروع کر دیں۔ خلیفۃ المسلمین نے اس اقدام کو خلاف شرع قرار دے دیا۔ کمال اتاترک کے حامیوں کو اسلام کا باغی قرار دیا گیا اور اس کے خلاف مذہبی جوش و جنون ابھارا گیا اور شیخ الاسلام نے فتویٰ جاری کیا کہ اسلام کے باغیوں (مصطفیٰ کمال اور ان کے ساتھیوں) کا قتل مذہبی فریضہ ہے۔ خلیفۃ المسلمین نے باغیوں کو قتل کرنے کے لیے ایک مذہبی جنونی فوج تیار کی اور اس کے لیے دنیا بھر سے چندہ اکٹھا کیا۔

یہ وہی وقت تھا جب مصطفیٰ کمال یونانیوں، فرانسیسیوں اور آرمینیوں کے خلاف کئی محاذ جنگ پر مصروف تھا۔ عین اس وقت خلیفۃ المسلمین اور شیخ الاسلام کی فوجیں عقب سے ان پر حملہ آور ہو رہی تھیں۔ یہ وہ سنہری موقع تھا جس کا انتظار یورپی طاقتیں بڑے عرصے سے کرتی آ رہی تھیں۔ خلیفۃ المسلمین یورپی اتحادیوں کی مدد کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ آزادی کی جنگ جو مصطفیٰ کمال نے شروع کر رکھی ہے اس کی شکست اور قتل سے خود بخود ختم ہو جائے گی۔ اس پروگرام کے تحت خلیفۃ المسلمین نے استنبول میں ایک کورٹ مارشل قائم کر کے غیر حاضری میں مصطفیٰ کمال اور اس کے ساتھیوں کو موت کی سزا سنائی۔ خیال رہے کہ اس پروگرام میں خلیفۃ المسلمین کو شیخ الاسلام کی پوری تائید و حمایت حاصل تھی۔ قصہ مختصر کہ ضیاء گوکلپ کے افکار و نظریات دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اگر خلیفۃ المسلمین اور شیخ الاسلام ان کے آڑے نہ آتے اور اجتہاد کا فکری بہاؤ نہ رکتا تو ترکی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضیا گولپ کے روشن خیال اسلامی اصولوں کی بنیاد پر فوج کے اثر سے آزاد جمہوری ریاست بن سکتا تھا مگر عملی زندگی میں خلیفۃ المسلمین اور شیخ الاسلام دونوں ترکی کے مفادات کے خلاف کام کر رہے تھے۔یہی وجہ ہے کہ جنگ میں فتح پانے کے بعد مصطفیٰ کمال کی قیادت میں قائم ہونے والی منتخب اسمبلی نے خلافت کا خاتمہ کر دیا اور ریاست کے لیے سیکولر آئین نافذ کر دیا۔

پاکستان میں صورت حال یہ رہی کہ اہل علم کی ایک جماعت جنرل ضیاء الحق کے دور میں نفاذ اسلام کے نام نہاد اقدامات سے سخت مایوس تھی وہ ان اقدامات کو اسلام کی نئی تعبیر کے مطابق نہ سمجھتے تھے جن کے ذریعے اسلام کی ابدی اور سماجی اقدار رائج ہو سکیں۔اسلامائزیشن کے اقدامات خالص تقلید پسندانہ اور بے اثر تھے۔اسلام کی اخلاقی اور اجتماعی قدروں کے فروغ کا باعث نہ تھے اور جدید ذہنوں کے لیے قابل قبول نہ تھے۔حکومت اور روایت پرست حلقوں کے یک طرفہ پراپیگنڈے کے خلاف خاموش ردعمل نے وہ فضا قائم کر دی جس میں الحاد کے فروغ کے لیے راستہ ہموار ہوا۔ڈاکٹر گورایا نے ضیا گولپ کے حوالے سے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے کہ ہر معاشرے کا اپنا خاص ضمیر ہوتا ہے جسے عرف کہتے ہیں۔ گزرے معاشرے کا عرف نئے معاشرے کے اجتہاد کے لیے موزوں مواد فراہم نہیں کر سکتا کیونکہ گزرے ہوئے معاشرے کا ضمیر نئے معاشرے کے ضمیر کے حسب حال نہیں ہوتا۔یوں روایتی فقہ اسی وجہ سے کوئی مفید اثر مرتب نہیں کرتی کہ وہ جدید معاشرے اور معیشت کے ضمیر سے ہم آہنگ نہیں۔

پاکستان میں جنرل ضیاء الحق اور ان کے ہم فکر روایتی فقہ کے حامل سیاست دانوں اور علماء نے مل کر آئین میں ایسی ترامیم اور ایسے آئینی ادارے قائم کیے جو اسلام کے دور جدید کے ضمیر سے ہم آہنگ نہیں۔البتہ ان آئینی ترامیم کے ذریعے پاکستان کو پیچھے دھکیلنے والا ڈھانچا ضرور قائم ہو چکا ہے۔آج ہمارے بعض علمائے کرام اور روایت پرست سیاسی تنظیمیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب آئین کی بالادستی کی بات کرتے ہیں تو غالبًا ان کا مقصد ترمیم شدہ آئین کے نام سے روایت پرست مذہب کی بالادستی کو مستحکم کرنا ہوتا ہے جو جنرل ضیاء الحق کے دور میں قائم ہو چکی ہے۔ یعنی وہ ایسی مذہبی تعبیر و تشریح کو فروغ دینا چاہتے ہیں جو دور ملوکیت میں اختیار کی گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ دور ملوکیت کے مذہبی افکار اور قوانین جنہیں فقہ کہا جاتا ہے، سے مراد کیا ہے؟ یہاں ڈاکٹر گورایا نے لکھا ہے کہ:

> ''ہم دیکھ چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا اجتہاد تھا کہ مزارعت حرام اور باطل ہے۔ یہ اجتہاد ملوکیت کے خلاف تھا اس لیے کالعدم قرار پایا۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ کا اجتہاد تھا کہ ملوکیت کا اختیار حکمرانی باطل ہے۔ اس اجتہاد سے بھی ملوکیت کی جڑ کٹتی تھی۔ یہ بھی کالعدم قرار پایا۔ ان اجتہادات کی جگہ نئے اجتہادات کیے گئے جو ملوکیت کے موافق تھے''۔

ڈاکٹر موصوف کے بقول مروجہ حنفی فقہ میں امام ابوحنیفہ کے ستر فیصد اجتہادات کالعدم ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ ان کے شاگردوں کے اجتہادات شامل کیے گئے جو اس دور کے حکمرانوں کے مفاد کے مطابق تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ''مفتی بہ اقوال'' یعنی وہ اجتہادات جن کا عملاً نفاذ ہوا وہ تھے جو شاہی نظام کے مفادات کے مطابق چن چن کر جمع کیے گئے۔ ڈاکٹر یوسف گورایا نے ترکی کے حوالے سے ملوکیت کی فقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''جب داخلی انتشار اور خارجی دباؤ سے خلافت عثمانیہ کا شیرازہ بکھرنے لگا تو ترک دانشوروں نے اپنے زوال کے اسباب پر غور کیا وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کے زوال کا بنیادی سبب فقہ ملوکیت کی تقلید ہے جس کی وجہ سے ترک معاشرے میں نئے افکار جنم نہیں لے رہے اور یورپ کے صحت مند اور توانا سائنسی اور تکنیکی علوم اور جمہوری آئینی اصولوں کے مقابلے میں ان کے پاس مردہ اور فرسودہ فقہی ضابطوں کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا وہ فقہ اور ملوکیت دونوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے''۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاکستان میں بھی خاموشی سے ترکی ایسے جذبات پرورش پا چکے ہیں۔ خاموشی کی وجہ یہ ہے کہ تقلید پسند طبقوں کا بڑا زور شور ہے۔ ریاست کی طاقت ان کی پشت پر موجود ہے۔ ''روایت پرست'' نظریات کے مخالف تین گروہ ہیں۔ ایک وہ جو اجتہاد پسند ہے مگر بظاہر بے اثر ہے۔ دوسرا گروہ سیکولر ہے، اعلیٰ تعلیم یافتہ سویلین منتظمین کی اکثریت اس گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ عدلیہ بھی دروں بیمے بروں ہے۔ تیسرا گروہ مذہب سے بیگانہ ہے اور وہ نجی زندگی میں بھی اسلامی نظریات کا قائل نہیں رہا۔ خیال ہے کہ ڈاکٹر یوسف گورایا نے ۱۹۹۰ء میں پاکستان کے لیے سیکولرازم نہیں، الحاد کے امکانات کی پیش گوئی کی تھی۔

یہاں سیکولرازم کے حق میں اور مذہب سے بیگانگی یا بیزاری کے رجحانات کی وجوہ پر غور کرنا مناسب ہوگا۔ ہمارے یہاں ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۷ء تک سوشلزم اور کیپٹلزم کے مقابلے میں اسلام ازم (اسلامی نظام) کا نظریہ پیش کیا گیا۔ ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۷ء تک تنقید کا ہدف زیادہ تر سوشلزم رہا۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۸ء تک روایت پرستوں کی آئیڈیالوجی قانون کی شکل میں نافذ ہوگئی۔ اس کے مایوس کن نتائج سے بہت سے اسلام پسند افراد اپنے نظریات پر غور کرنے کی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ مگر ۱۹۸۸ء سے جو انتخابی عمل شروع ہوا اس نے سوچنے والوں کو گہرائی میں اترنے کا موقع نہیں دیا۔ سیاسی مفادات کی جنگ اور غیر مسلم طاقتوں کے خلاف جہاد ہماری اولین توجہ کے مراکز بن گئے۔ چنانچہ اب اسلام نظریاتی نہیں بلکہ سیاسی رنگ اختیار کر گیا ہے۔ روایت پرست مذہب سے سیاسی فائدہ اٹھانے کی سب سے مکروہ کوشش ۱۹۹۸ء میں میاں نواز شریف کی مسلم لیگ نے کی، جس نے بدترین شخصی آمریت کا حامل شریعت بل منظور کرانے کی کوشش کی۔

اسلام ازم کے نظریے کے حق میں دلیل کچھ اس طرح تھی کہ سوشلزم اور کیپٹلزم دونوں نظام انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں اس لیے ان میں کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ علماء کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانب سے اسلام کے معاشی ''نظام'' کا جو تصور پیش کیا گیا وہ عام طور پر اسلام کی معاشی اقدار کا مجموعہ تھا۔ بہت سی اقدار اخلاقی نوعیت کی ہیں مثلاً حلال رزق کمانا، ضرورت سے زیادہ دولت اللہ کی راہ میں تقسیم کرنا، منافع کی شرح جائز رکھنا وغیرہ۔ ان اسلامی اقدار کو قانون اور معاشی اداروں کے ذریعے نافذ کرنا ممکن نہیں۔ یہ اقدار اخلاقی نوعیت کی ہیں جن پر رضا کارانہ عمل تو ہوسکتا ہے بیرونی اداروں کے ذریعے ان پر عمل درآمد کرانا ممکن نہیں۔ میں یہاں ربا کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ربا (دولت میں ناجائز اضافہ) کا تصور سود تک محدود نہیں۔ ربا کے احاطے میں ''ناجائز'' اضافے کی سب شکلیں آتی ہیں مگر سیاسی علماء اور روایت پسندوں نے عملی زندگی میں اسے بنک سود تک محدود کر دیا ہے۔ یہ بات مسلم عوام کی نفسیات میں گہری اتر چکی ہے۔ جہاں تک سود کا تعلق ہے یہ ایک استحصالی عنصر کے طور پر ایک غریب اور پسماندہ سوسائٹی کا مسئلہ ہے جہاں بنکوں کی جانب سے کریڈٹ کی سپلائی اس کی طلب کی نسبت سے کم ہوتی ہے۔ استحصالی سود کی روک تھام ایسے منصفانہ معاشرے میں ممکن ہے جہاں غربت دور ہو جائے اور بنک کریڈٹ کی سپلائی مالی ضروریات کی مناسبت سے فراواں ہو جائے۔ ایسا توازن جس میں سرمائے کا معاوضہ (سود کی شکل میں) کم ہو جائے، یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ٹیکنالوجی اور ہنر میں اضافہ ہو، ملک دولت سے مالا مال ہو جائے، عوام خوشحال ہو جائیں، ان کی بچت کی شرح بڑھ جائے تاکہ بنک کریڈٹ کی سپلائی میں ایسا بڑا اضافہ ہو جائے جیسا کہ جاپان میں ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں لوگ اپنی بچتیں بنک میں حفاظت کی خاطر جمع کراتے ہیں۔ جاپانی عوام جنہیں اپنی بچتوں (سرمائے) سے منافع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے وہ اپنی رقوم بنکوں میں ڈپازٹ کروانے کی بجائے میوچل فنڈز اور سٹاک ایکسچینج میں لگاتے ہیں۔ بنک سے قرض وصول کرنے والے تاجر جس شرح سے سود ادا کرتے ہیں اس سے (اس مخصوص مد کے تحت) بنکوں کو کوئی بڑا منافع حاصل نہیں ہوتا۔ میں نے یہاں سودی نظام کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دفاع نہیں کیا اس کی نوعیت بیان کی ہے۔ تاہم مجھے معلوم ہے کہ ہر نظام میں کوئی نہ کوئی مشکل ہوا کرتی ہے جسے انسان تجربات کی روشنی میں حل کرتا ہے۔ مثلاً بہت سے ملکوں میں سود پر قائم سرمایہ داری نظام پسماندہ طبقات کے مفادات کا تحفظ نہیں کرتا جو ایک سنگین معاملہ ہے۔ مالدار ممالک کے اربوں ڈالر پر مشتمل فنڈز منافع کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں اور ملکوں کی کرنسی اور سٹاک ایکسچینج میں سٹہ بازی کر کے عالمی معیشت میں عدم استحکام پیدا کر دیتے ہیں۔ اس اور دوسرے مسائل پر قابو پانے کے لیے عالمی مالیات کے مناسب ادارے کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ انسانیت اسی جانب آگے بڑھے گی۔ (خیال رہے کہ آگے بڑھنے کا عمل کبھی سیدھا اور آسان نہیں ہوتا) یہ مسائل بڑے کٹھن ہیں جو صرف ماہرین کے احاطے میں آتے ہیں۔ خیال رہے کہ میں بنک کے نظام کے بعض شعبوں میں تجربے کرنے کا مخالف نہیں۔ تجربہ اچھی بات ہوتی ہے مگر کسی ایک تجربے کی بناء پر مروجہ معیشت کی غیر منصفانہ نوعیت سے آنکھیں بند کر لینا اسلام کی نیک نامی کا موجب نہ ہوگا۔ خیال رہے کہ بنکاری میں نفع نقصان کے اصول کا اجراء ایسا ہی ایک تجربہ ہے جس نے مروجہ معاشی نظام کے مظالم کی جانب سے مسلمانوں کی توجہ دور کر رکھی ہے۔

یہاں اختصار سے معاشی نظام کی تعریف پیش کرنا مناسب ہوگا۔ ''معاشی نظام'' معاشی اداروں کی ملکیت اور نظم و نسق کے اداروں اور طریقوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو معاشی عمل کو ممکن بناتا ہے۔ یہ علم نیا اور خاص ہے اس علم سے نابلد افراد جو صرف جو صرف عقیدے اور فلسفیانہ انداز میں سوچتے ہیں، وہ معاشی اداروں کی عملی تفصیلات سے کماحقہ باخبر نہیں ہوتے۔ یہ سب معاملات ایسے ہیں جن سے عام مسلمان آگاہ نہیں بلکہ وہ کوئی سروکار بھی نہیں رکھتے۔ زندگی گزارنے کے لیے عقیدہ جس بات پر راسخ ہو جائے کافی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ آج ایک جانب اسلام کے روایت پرست عقیدے پر پختہ یقین رکھنے والے افراد ہیں تو دوسری

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانب وہ بے اثر افراد جو اسلام کی تعبیر نو کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو اسلام کو صرف نجی زندگی تک محدود رکھنا چاہتا ہے۔ چوتھا گروہ مذہب سے بیگانہ ہے جس کا فکری حلقوں میں اثر موجود ہے۔ بحث کا ماحصل یہ ہے کہ ملک میں نظری اعتبار سے انتشار پایا جاتا ہے۔ میری ناچیز رائے میں یہ انتشار ہمارے ملک میں سماجی، سیاسی، معاشی اور آئینی بحرانوں کی تہہ میں موجود ہے، جسے اظہار کے لیے کردار اور مواقع ملتے رہتے ہیں۔ افسوس کہ فکری انتشار اور بحران فوری ختم ہونے والے نہیں۔

انسانی اور اخلاقی اقدار سے بیزاری کے لیے سیکولر اور ملحد ہونے کی شرط ضروری نہیں۔ ہمارے یہاں عام طور پر اسلام کے لیے جان دینے والے بھی اخلاقیات سے عاری ہیں۔ خیال رہے کہ مغرب کے عوام اگر روایتی مذہبی اقدار کو نہیں مانتے تو ان کے موثر طبقے عام طور پر انسانی اقدار کے قائل ہوتے ہیں۔ مغربی ممالک کے عوام کے امریکی جارحیت کے خلاف حالیہ مظاہرے اس کا ثبوت ہیں۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ وہاں عوام کا بڑا حصہ عام طور پر سیکولر ہے جس سے مراد یہ ہے کہ وہ سیاسی اور معاشی زندگی میں فیصلے اپنے علم، مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر کرتے ہیں لیکن نجی زندگی میں مذہب کی اپنی تعبیر پر ایمان رکھتے ہیں۔

پاکستان کے بعض مصنفین نے اپنی مذہبی تحریروں میں لکھا ہے اور بجا لکھا ہے کہ اسلام کی رو سے روحانی زندگی اور مادی زندگی میں تفریق نہیں پائی جاتی۔ کہا جاتا ہے کہ یورپ میں تفریق عیسائی مذہب کی وجہ سے پائی جاتی تھی، جو روح اور مادے کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرتا ہے۔ یاد رہے کہ جسے ہم آج عیسائی مذہب کہتے ہیں وہ اپنے دور کا اسلام تھا۔ وحی پر مبنی کوئی مذہب روح اور مادے میں تفریق پیدا نہیں کرسکتا۔ یہ تفریق غیر منصفانہ سماج نے پیدا کی۔ جب یہ تفریق پیدا ہوگئی تو عیسائیوں کا مذہبی رہنما پوپ اسے دور نہ کرسکا اور نہ ہی اس نے اس تفریق کو تسلیم کیا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو معاشرے پر اس کی سماجی اور سیاسی گرفت کمزور ہوتی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی۔ یورپ نے صورت حال کا جائزہ لے کر سیاست اور مذہب کے دائرے الگ الگ کر دیے۔ وہاں ریاست سیکولر ہوگئی مگر ہم پاکستانی مسلمانوں کی کشتی ایک بھنور میں آ گئی ہے۔ مسلمہ طور پر یہاں پر سب قوانین ''اسلامی'' قالب میں ڈھل چکے ہیں اور اسلام کی دعویدار حکومتوں نے بہت سی قانونی اصلاحات اور ادارے قائم کر لیے ہیں جنہیں وہ نفاذ اسلام کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ وہ تمام قوتیں جو اسلام کی دعویدار تھیں مارشل لاء، مسلم لیگ اور اسلامی جمہوری اتحاد کے ذریعے اقتدار کی حصہ دار بن چکی ہیں۔ درحقیقت مروجہ مذہب اپنی روح سے عاری ہو کر سیاسی نعرہ بن چکا ہے۔ ناقص معاشرتی نظام کی وجہ سے ہمارا ملک پراگندہ اور کرپٹ ہو چکا ہے اور وہ ان سیاسی قوتوں کو برسر اقتدار لانے پر مصر ہے جنہوں نے قوم کو لوٹا ہے۔ ان میں کچھ اسلام کی دعویدار بھی ہیں۔ اس صورت حال نے پاکستان کے ان حلقوں کو جن میں آزادی سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ابھی باقی ہے، طرح طرح کے خدشات میں مبتلا کر رکھا ہے۔

پاکستان کی سپریم کورٹ نے اسلام کو آئین کی ایک بنیاد قرار دیا ہے البتہ یہ معاملہ ابھی طے ہونا باقی ہے کہ سپریم کورٹ نے اسلام کی کس تعبیر کو آئین کی بنیاد تصور کرتی ہے۔ آئین کی تاریخ میں اسلام کا حوالہ دو طرح سے آیا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں وزیر اعظم چودھری محمد علی کی قیادت میں جو آئین منظور ہوا اس میں فیڈرل شریعت کورٹ نہیں تھی البتہ پارلیمان اسلامی نظریاتی کونسل کی تجاویز پر غور کرنے کی پابندی تھی مگر قبول کرنے کی پابند نہ تھی۔ گویا قانون سازی (اجتہاد) کا حق منتخب نمائندوں کو حاصل تھا۔ لیکن ۱۹۸۵ء کی آئینی ترمیم کی رو سے پارلیمان کے منظور کردہ قوانین کے اسلامی یا غیر اسلامی قرار دینے کا اختیار فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بینچ کو حاصل ہو چکا ہے۔ (خیال رہے کہ ۱۹۸۵ء کی ترامیم آئین کا حصہ ہیں آئین کی بنیاد نہیں) گویا اب بالادستی پارلیمان کو نہیں بلکہ صدر کے مقرر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کردہ جج صاحبان کو حاصل ہو گئی ہے۔ تاریخ اسلام سے ثابت ہے کہ اسلامی قانون دانوں نے عوام کا نہیں خواص کے مفادات کا تحفظ کیا ہے۔

ضیاء الحق کے دور کی ترمیمات کی رو سے اسلام کی تعبیر کا معاملہ عدالتوں کے اختیار میں ہے۔ یہاں مختصراً ذکر مناسب ہوگا کہ کم از کم دو اہم معاملات میں عدالتی فیصلے دور جدید کے ضمیر سے ہم آہنگ نہیں۔ مثلاً زرعی اصلاحات کے قانون کو کالعدم قرار دینا پاکستان کے سماجی اور سیاسی ارتقاء کے تقاضوں کے مطابق صحیح نہیں۔ ربا کے معاملے میں عدالتی فیصلہ بھی روایت پرستی پر مبنی نظر آتا ہے۔ ربا سے مراد قرض کی رقم میں اضافہ ہوتا ہے۔ ربا کے توسیعی معنوں میں معاشی زندگی کے کسی بھی شعبے میں ناجائز طریقوں سے دولت میں اضافہ یا منافع شامل ہے۔ ربا کے بارے میں جو بھی تصورات رائج ہیں ان کا پس منظر ایک ایسی معیشت ہے جس کا آج کے دور سے کوئی تعلق نہیں۔ بنک سود کے بارے میں مختصراً ذکر پہلے آ چکا ہے۔ زراعت کی استحصالی شکلیں (مثلاً مزارعت کا نظام) پاکستان میں اس لیے موجود ہیں کہ یہاں کا معاشرہ نیم قبائلی نیم فیوڈل ہے جس کو بدلنے کی راہ میں شریعت بنچ کا فیصلہ حائل ہو چکا ہے۔ جہاں تک صنعت یا تجارت کا تعلق ہے یہ الفاظ صنعتی انقلاب سے پہلے بھی مستعمل تھے اور آج بھی ہیں۔ لیکن معیشت کی ماہیت میں زبردست تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔ ٹیکنالوجی کی ترقی نے تجارت، صنعت اور بنکوں سمیت مالیات کے تمام ترشعبوں کے حجم میں بے حد و حساب اضافہ کر کے اس کی شکل، ماہیت، سماجی اثرات اور نتائج کو بدل دیا ہے۔ اب معاشی اور سماجی رشتے نئے خطوط پر استوار ہو چکے ہیں مگر لفظوں کے پرانے معنوں میں الجھے لوگ عام طور پر اس تبدیلی کا کماحقہٗ ادراک نہیں رکھتے۔ آج کے دور میں صنعت اور تجارت کے شعبوں میں ناجائز منافع کی اتنی نئی شکلیں رائج ہو چکی ہیں کہ اس کے مقابلے میں ترقی یافتہ معیشتوں میں بنک کا سود اب کوئی استحصالی اہمیت نہیں رکھتا۔ سود کی شرح یورپ میں تقریباً پانچ اور جاپان میں ایک فیصد ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک پاکستان کی شرح سود اونچی ہونے کا تعلق ہے اس کی وجہ مالیات کی بدنظمی اور بنکوں کی لوٹ کھسوٹ ہے جو ہمارے حکمرانوں نے روا رکھی ہے اور معاشرے نے قبول کی ہے۔ البتہ یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ پاکستان کی صنعت اور تجارت میں جو ناجائز طریقے رائج ہیں ان کی روک تھام کے لیے اسلام کی تعبیر کرنے والے کسی ادارے (بشمول عدالتوں) کے پاس کوئی حل نہیں۔ بعض اسلامی حلقوں کی جانب سے بنک کے سود پر اپنی توجہ مرکوز کیے رکھنا اپنے ووٹروں کے سامنے اپنا الگ تشخص قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ آخر ہم دور جدید میں ''عرف'' (ضمیر) سے کیا مراد لیتے ہیں۔ دور جدید کا عرف جمہوری نظام، معاشرتی انصاف اور عالمی عدل و انصاف ہے، جس کا بدقسمتی سے بش کے زیر اثر بہت سے امریکی حلقے قائل نہیں۔ اگر بش کا ضمیر یہ نہیں تو اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس دور کا بھی ضمیر نہیں۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ دور جدید کے عرف کی جن خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے انہیں مؤثر انداز میں بروئے کار آتے ابھی کئی دہائیاں لگیں گی۔ ضمیر کی آواز اہل مغرب کی جانب سے بلند ہونے کی ابتدا ہوئی ہے۔ ہم پاکستانیوں کو بھی اس دور کے عرف کو تسلیم کرنا ہوگا، تاکہ ہم اپنے آئین، اپنی معیشت، اپنی سیاست اور اپنی پالیسی کو اسی عرف کے ہم آہنگ بنا سکیں۔ چنانچہ ہماری اعلیٰ عدالتوں کو جو آئین کی محافظ ہیں، سماجی اہمیت کے معاملات کے بارے میں فیصلہ صادر کرتے وقت ایسے اصول وضوابط اختیار کرنے چاہئیں جو دور جدید کے عرف سے ہم آہنگ ہوں۔

بلاشبہ اسلام کا کردار روحانی اور ثقافتی تھا۔ اس نے یونانی علوم کا احیاء کیا، دوسری ثقافتوں سے فائدہ اٹھایا کیونکہ ہمارے پیغمبرؐ کا یہ فرمان ہے کہ ''حکمت و دانش مومن کی گم شدہ میراث ہے'' زندگی کی بلند قدریں جو پوری انسانیت کی میراث ہیں امت مسلمہ بھی ان کی وارث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان عرب حکمرانوں نے غیر مسلم اہل دانش مسیحیوں، یہودیوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ایرانیوں کی دانشمندی کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ریاست کے نظم ونسق کو بہتر سے بہتر بنایا۔ علوم وفنون اور ثقافت کے معاملات میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے جس وسیع ظرفی، بصیرت اور دانشمندی کا مظاہرہ کیا تھا آج مسلم دنیا کو اسی راہ پر چلنے کی ضرورت ہے۔ حکمت ودانش کی آواز برصغیر کے لیے نامانوس نہیں۔ سرسید احمد خان، جناب محسن الملک اور سید امیر علی کے علم ودانش کے خزانے کولڈ سٹوریج میں پڑے ہیں اور پھر ہمارے علامہ اقبال ہیں۔ کاش ہم نے علامہ کی تقاریر (نثری تحریروں) کو سنجیدگی سے قبول کیا ہوتا۔ تاہم ان کے تسلسل میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ڈاکٹر جاوید اقبال، ڈاکٹر منظور احمد نے قابل ذکر پیش رفت کی۔ افسوس ان کے افکار کوئی سماجی طاقت حاصل نہ کر سکے۔

ہمارے شہر اور نسبتاً ترقی یافتہ علاقے قبائلی تہذیب کی بہت سی خصوصیات سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ زندگی آگے بڑھ رہی ہے مگر جدید مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے مذہبی افکار اور ضابطوں میں اجتہاد نہیں ہوا۔ عملاً ہمارے یہاں رائج مذہب روح سے عاری رسوم کا مجموعہ بن چکا ہے، جو جذباتی رویے اور ماضی پرستی کا رجحان رکھتا ہے۔ یہی مذہب آئین کی رو سے اہم ریاستی اور سماجی طاقت کا حامل ہے۔ ترکی نے 80 سال قبل اس سے ملتی جلتی صورت حال کا جو حل ڈھونڈا وہاں کے غیر معمولی حالات کی وجہ سے ممکن بنا تھا۔ پاکستان میں شاید ایسا نہ ہوگا۔ ہمارے یہاں کیا ہوگا؟ کیا پاکستان کی پیش رفت بقول ڈاکٹر جاوید اقبال منافقت کی جانب جاری رہے گی یا بقول ڈاکٹر یوسف گورایا الحادی کی طرف ہوگی؟ شاید منافقت بھی الحادی نظریات کے لیے راہ ہموار کرے گی۔ اس کے برعکس موجودہ سیکولر ترکی کے تجربے نے ثابت کیا ہے کہ نجی اور کسی حد تک سماجی زندگی میں روشن خیال مذہب کا اثر بڑھا ہے۔

(مئی 2003ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترقی اور اسلام

ملائشیا کے لیڈر ڈاکٹر مھضیر (مہاتیر) محمد نے اپنی 3 اور 4 فروری 2002ء کی تقریروں میں ''جدید ریاست میں اسلام کا کردار'' اور ''اسلام اور دہشت گردی'' کے موضوعات پر اظہار خیال کیا۔ ان تقریروں کے مطالعہ سے مجھے ترغیب ہوئی کہ مذکورہ موضوعات کے حوالے سے پاکستان کی صورت حال پر قلم اٹھاؤں۔

مسلم دنیا میں ملائشیا تعلیم، صنعتی پیداوار اور فی کس آمدن کے اعتبار سے معقول حد تک ترقی یافتہ ملک ہے۔ ملائشیا کی فی کس آمدن پاکستان کی نسبت پانچ گنا ہے۔ جناب مھضیر محمد کی یہ بات قابل غور ہے کہ یہ ترقی اس امر کے باوجود ہوئی کہ ملائشیا اسلامی ملک ہے۔ ان کے بقول ترقی اس لیے واقع ہوئی کہ وہ اسلام پر کاربند رہے۔ ڈاکٹر موصوف کا کہنا ہے کہ اگر مسلمان اسلام کی حقیقی بنیادوں کی طرف لوٹ جائیں تو وہ پسماندہ نہیں رہ سکتے۔ اس راہ پر چل کر امن واقع ہوگا۔ یہ امن مسلمان ملکوں اور مسلم اور غیر مسلم قوموں کے مابین ہوگا۔ اسلام کی طرف لوٹنے سے مسلمان ملکوں کا نظم ونسق جدید ہوگا، جمہوری ہوگا اور بہتر ہوگا اور جب یہ خوبیاں ہوں گی تو مسلمان ممالک پرامن بقائے باہمی کے حامل ہوں گے اور معاشی اعتبار سے اس قابل ہوں گے کہ وہ عالمی معیشت میں دوسروں سے مسابقت کر سکیں۔

۴ فروری ۲۰۰۲ء کی تقریر میں ڈاکٹر مہاتیر محمد نے مسلمانوں پر دہشت گردی کے الزام کا بھرپور جواب دیا۔ انہوں نے کہا کہ دہشت گردی مسلمانوں کی اجارہ داری نہیں۔ اپنے ملک کی مثال دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ۲۲ سال تک ملائشیا نے کیمونسٹ گوریلوں کی دہشت گردی کا مقابلہ کیا۔ یہ دہشت گردی چینی نسل کے شہریوں کی طرف سے تھی۔ ملائشیا کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکومت نے دہشت گردی کی وجوہ معلوم کیں، ان کا حل ڈھونڈا، نتیجۃً دہشت گرد مطمئن ہو کر حکومت کے ساتھ آ ملے۔ آپ نے مغربی ممالک کو مشورہ دیا کہ وہ بھی مسلمانوں کی شکایات دور کریں۔ انہوں نے تصویر کا دوسرا رخ دکھاتے ہوئے غیر مسلموں کی دہشت گردی کی کئی مثالیں دیں مثلاً شمالی آئرلینڈ، سری لنکا اور جاپان جہاں دہشت گردی کے واقعات میں مسلمانوں کا کوئی عمل دخل نہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ فلسطین، بھارت اور چیچنیا میں مسلمانوں پر ظلم ڈھانے والے بھی غیر مسلم ہیں۔ اس بحث سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کو فطری دہشت گرد قرار دینا سراسر غلط ہے۔ اسلام دہشت گردی کی ہرگز اجازت نہیں دیتا اور نہ ہی اسلام کا دوسرے مذاہب سے کوئی عناد ہے نہ بغض و عداوت۔ رسول اکرم ﷺ کے دور میں جب مسلمان غیر مسلم عربوں کے ہاتھوں ظلم کا شکار ہوئے تو کچھ مظلوم حبشہ کی عیسائی ریاست میں ہجرت کر گئے۔ مسلمان حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جس طرح وہ حضرت ابراہیمؑ حضرت یعقوبؑ اور دوسرے پیغمبروں کا کرتے ہیں۔ ان پیغمبروں کا احترام کرنا ان کے ایمان کا جزو ہے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ مسلمان تمام مذاہب کے ساتھ پرامن ماحول میں رہ سکتے ہیں۔

اپنے ملک کی مثال دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ملائشیا میں ہندو، بدھ اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے پرامن ماحول میں رہ رہے ہیں اور ملک کی ترقی کے عمل میں شریک ہیں۔ یہ پس منظر بیان کرنے کے بعد انہوں نے ملائشیا کے نئے پرتشدد واقعہ کا ذکر کیا اور دہشت گردی کا الزام ملائشیا کی پان ملائشیا اسلامک پارٹی پر عائد کیا۔ اس انقلابی گروہ کے بارے میں انہوں نے شکایت کی کہ یہ گروہ ملائشیا کی جمہوری حکومت کو غیر اسلامی تصور کرتے اور پرتشدد ذرائع سے اسلامی انقلاب کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس انقلابی گروہ کے سلسلے میں ڈاکٹر مخفیر محمد کو پاکستان کا ذکر کرنا پڑا۔ انہوں نے کہا کہ انقلابی گروہ کے نوجوانوں کی ''اسلامی تعلیم و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تربیت" پاکستان کے ایک دینی مدرسے میں ہوئی۔ اس انقلاب پسند گروہ نے ایک ریاستی اسمبلی کے عیسائی رکن کو قتل کیا، ایک پولیس اسٹیشن سے ہتھیار چوری کیے، کچھ بنکوں کو لوٹا اور کچھ مقامات پر بم دھماکے کیے۔ تاہم حکومت ان کا تعاقب کرنے اور گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

ملائشیا کی اسلامک پارٹی کے جواں سال انقلابیوں نے مجھے لاہور کی ایک تنظیم کے مجاہد نوجوانوں کا ایک واقعہ یاد دلا دیا۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء سے پہلے بقر عید کے موقع پر ایک مشہور جہادی تنظیم نے گلبرگ لاہور میں عید کی نماز کا اہتمام کیا۔ میں کچھ دیر سے اس اجتہادی تنظیم کی فکری نہج کو سمجھنے کا منتظر تھا۔ میں اپنے کچھ عزیزوں سمیت عید کی نماز پڑھنے پہنچ گیا وہاں خطبہ سننے کے علاوہ اس تنظیم کی جانب سے نوجوانوں کی جنگی تربیت کا مظاہرہ دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ مظاہرہ جو میرے لیے غیر متوقع تھا تین چار ہزار نمازیوں کے سامنے کیا گیا۔ مظاہرے میں جہاد کے دوران دریا عبور کرنے اور اونچی عمارت سے نیچے اترنے کا طریقہ پیش کیا گیا۔ یہ مظاہرہ مضبوط رسے کی مدد سے کیا گیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مظاہرے میں حصہ لینے والے کارکن سبھی چھوٹی اور ناپختہ عمر کے نوجوان تھے۔ اسی عمر کے نوجوان کمانڈو لباس میں عیدگاہ کا نظم ونسق بھی کر رہے تھے اور غیر معمولی حفاظتی اقدام میں مصروف تھے۔ اس سے ڈاکٹر مخفیر محمد کی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ انقلابی نظریے سے متاثر افراد میں یقیناً نوجوان شامل ہوتے ہیں جنہیں دنیا کے دوسرے معاملات کی سرے سے کوئی فہم نہیں ہوتی اور نہ اس کے نتائج کی کوئی پرواہ ہوتی ہے۔

مگر جس جذبے کا اظہار ان نوجوان بچوں نے کیا وہ جذبہ بہت سے پختہ عمر اور خواندہ طبقے میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہ جذبہ کیوں کر اجاگر ہوتا ہے؟ اسے سمجھنے کے لیے مجھے اس خطبے کا ذکر کرنا ہوگا جو عید کے موقع پر خطیب صاحب نے پیش کیا۔ محترم خطیب نے جہاد کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ غلام مسلمانوں کی عید نہیں ہوتی۔ ہم عید منانے کے مستحق اس وقت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں گے جب ہمیں آزادی حاصل ہو جائے گی۔ مجھے جناب خطیب کی اس بات سے اتفاق ہے۔اس میں شک نہیں کہ غلامی کے ذریعے آدمی کے ذہن اور ایمان دونوں کی موت واقع ہو جاتی ہے مگر غلامی اندرون ملک اپنوں کی بھی ہو سکتی ہے۔ پاکستانی عوام مقامی طور پر جاگیرداروں اور ناجائز دولت کے حامل بالا دست طبقات کے بھی غلام ہیں۔اگر ہمارے علماء جمہوری قوتوں کے ساتھ مل کر مقامی آقاؤں سے آزادی حاصل کر لیں تو بیرونی آقاؤں سے آزادی حاصل کرنے کا راستہ بھی صاف ہو جائے گا۔ (مگر افسوس یہ ہے کہ ہمارے محترم خطیب جمہوری آزادی کے کبھی قائل نہیں رہے) قتالی سوچ کے بھرپور حامی ہونے کی وجہ سے محترم خطیب نے براہ راست غیر ملکی آقاؤں سے تصادم کی راہ تجویز کی، وہ بھی پرائیویٹ جہادی تنظیموں کی گوریلا وارداتوں کے ذریعے۔اس مسئلے پر قوم کو سنجیدگی سے ازسر نو غور کرنا چاہیے۔ جہاد کے معانی بہت وسیع ہیں۔قتالی جہاد اس کی صرف ایک شکل ہے۔انتہائی دکھ اور کرب سے لکھنا پڑتا ہے کہ مسلمان ممالک جو گوریلا وارداتوں کی مدد کرتے رہے ہیں سبھی کرپٹ، محتاج اور کمزور ہیں وہ ممالک جو ان کا نشانہ بنتے ہیں کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ گوریلا وارداتوں کے مرتکب افراد یک رخ ہیں اور انہیں جدید دور کے معاملات کی کماحقہ سمجھ نہیں۔ چنانچہ وہ گوریلا حملوں کے جواب میں پیدا ہونے والے نتائج کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ بیرونی حملہ آور کے خلاف اپنے ملک کے اندر دفاعی گوریلا جنگ ان وارداتوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو غیر ملکوں میں پہنچ کر دوسروں کے جان و مال کو تباہ کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ اگر دشمن جواباً ہمارے ملک پر بموں کی بارش کر دے اس کے نتیجہ میں نہ صرف معیشت کا ذیلی ڈھانچا (انفراسٹرکچر) تباہ ہو جائے گا بلکہ لاکھوں کروڑوں مسلمان زخمی، بیمار، بھوکے اور بیروزگار ہو جائیں گے۔ یہ صورت حال قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ کے روایتی جہاد کے دوران پیدا نہیں ہوتی تھی۔اس معاملے پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ گوریلا وارداتوں کے ذریعے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اتنی بڑی تباہی اور انسانی المیہ کو دعوت دینا اسلام کی رو سے کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے؟ ایسی وارداتیں نظری اعتبار سے جائز ہوں یا نہ ہوں مگر حقیقی صورت حال یہ ہے کہ ہمارے عوام کی اکثریت کو یک طرفہ نظریات کے ذریعے جس جذباتی کیفیت میں گزشتہ پچیس سال سے مبتلا کیا گیا ہے اب آسانی سے کوئی دلیل، کوئی منطق انہیں اس کیفیت سے باہر نہیں نکال سکتی۔

میں نے مذکورہ بالا عید کے خطبے کی بڑی تعریف سنی، ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو یونیورسٹیوں سے سند یافتہ تھے۔ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ تعلیم جو صرف سندوں کے لیے حاصل کی جائے، فکر کی روشنی پیدا نہیں کرتی۔ البتہ اس سے یہ صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے کہ آدمی سوچ سکے۔ تاہم یہ صلاحیت تبھی آتی ہے اگر آدمی سوچنے کا حق استعمال کرے۔ اگر وہ اپنے حق کو استعمال کرنے کی بجائے اندھی تقلید پر اتر آئے تو تعلیم اس کی راہ میں آڑے نہیں آتی۔ تعلیم کی کئی اقسام ہیں۔ کئی علوم فکر کو روشنی دیتے ہیں، کچھ تنگ نظری پیدا کرتے ہیں اور فکر کو آگے لے جانے کی بجائے پیچھے دھکیلتے ہیں۔ صد افسوس! مسلم معاشروں میں فکری کشادگی پیدا کرنے والی کوئی تحریک موثر نہیں۔ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ عام طور پر بہت سے لوگ تقلید ہی میں آسائش محسوس کرتے ہیں۔ تقلید کے رویہ سے نجات پانے کے لیے گہرے اور تقابلی مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لیے محنت اور وقت درکار ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگ مسلسل ذہنی کاوش نہیں کر سکتے اس لیے کہ معمول کی زندگی کی مصروفیات میں اس کے لیے گنجائش نہیں ہوتی۔ تقریباً نوے فیصد مسلمان جو روایت پرست مذہبی افکار اپنے خاندان، ماحول اور آسان ذریعے سے اختیار کر چکے ہوتے ہیں وہ اسی پر تکیہ کر کے مذہبی اطمینان حاصل کر لیتے ہیں۔ بعض افراد میں یک طرفہ مطالعہ تشدد کے رجحانات اجاگر کر دیتا ہے۔ یک طرفہ نظریہ میں پختگی حاصل کرنے کے بعد عموماً تبدیلی یا اصلاح کی گنجائش کم ہوتی ہے۔ آج کے پاکستان میں پرتشدد رجحانات کا حامل ایک چھوٹا سا گروہ موجود ہے۔ خیال رہے کہ صرف ایک یا دو فیصد تشدد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے والے افراد پورے معاشرے کے لیے سنگین مسائل کھڑا کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ انہیں قائل کرنا غالباً ممکن نہیں۔ مگر شاید پاکستانی ایجنسیوں اور افواج میں نئے عالمی رجحانات کے حوالے سے فکری کشادگی کی تربیت کا بندوبست ممکن ہے۔ یہ تربیت یقیناً دفاع، خارجہ اور قومی پالیسی کی نئی ترتیب کے لیے مفید ثابت ہوگی۔

میرے دل میں بہت سے سوالات اٹھے جن میں سے ایک یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ مسلمان ظلم کا نشانہ بنتے ہیں۔ وجہ پوشیدہ نہیں، وجہ جرم ضعیفی ہے۔ کمزوری اسلحہ ہی کی نہیں ہوتی۔ یہ کمزوری دوسری بہت سی کمزوریوں کا ایک ثبوت ہوتی ہے۔ سب سے اہم کمزوری تہذیب و تمدن کی کمزوری ہوتی ہے، علوم و فنون کی کمزوری ہوتی ہے، جمہوری اور انتظامی کمزوری ہوتی ہے۔ مسلمان کمزور اور پسماندہ کیوں ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ مسلم ممالک جو اشیاء صنعتی ممالک کو فروخت کرتے ہیں وہ سادہ ٹیکنالوجی کی اور سستی ہوتی ہیں اور جو اشیاء ہم ان سے خریدتے ہیں وہ اعلیٰ ٹیکنالوجی کی اور مہنگی ہوتی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ہم غریب ہیں اور تعلیم میں پیچھے ہیں۔ اس کا جواب سادہ ہے اور قرآن مجید میں موجود ہے۔ قرآن بار بار حصول علم، مشاہدہ اور فکر و تدبر کی بات کرتا ہے۔ قرآن عمل اور ترقی کی بات کرتا ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں نے ان قرآنی تعلیمات سے غفلت برتی۔ مسلمانوں کا حکمران طبقہ کبھی یہ پسند نہیں کرتا کہ محکوم اور پسماندہ طبقوں میں سوچنے اور غور و فکر کی صلاحیت بیدار ہو۔ جب کہ قرآنی تعلیمات کے مطابق سوچنا، غور کرنا، تحقیق کرنا اور مشاہدہ کرنا لازمی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ غور و فکر اور مشاہدہ و تجربہ سے مسلسل گریز ہماری سائنسی، ٹیکنالوجی اور معاشی پسماندگی کی اصل وجہ ہے۔ جس معاشرے میں علم اور فکر کی پسماندگی ہوگی، وہاں سیاسی پسماندگی بھی یقیناً ہوگی۔ چنانچہ اگر آج مسلم عوام بالادست طبقات اور غیر ملکی طاقتوں کے ہاتھوں لٹ رہے ہیں تو یہ تعجب کی بات نہیں۔ تاریخ عالم میں علم و فکر سے عاری اقوام کے ساتھ ہمیشہ یہی سلوک ہوا ہے اور آئندہ بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسا ہی ہوگا۔

ہماری پسماندگی کی دوسری وجہ دور ملوکیت کے (علامہ اقبال کے الفاظ میں عرب امپیریلزم کے دور) کی فقہ اور انداز فکر ہے۔ مثلاً ہمارے روایت پرست طبقے مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ عقیدہ راسخ کرتے رہتے ہیں کہ یہ دنیا چار روزہ ہے، یہ صرف امتحان گاہ ہے، دائمی زندگی اگلے جہان میں ہوگی۔ اس عقیدہ کی کئی تعبیریں ہوسکتی ہیں۔ مقبول عام معنی یہ ہیں کہ اس دنیا میں ہم پرہیزگاری کی زندگی بسر کریں۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ پرہیزگاری حلال رزق سے میسر آتی ہے جو ایک معاشرتی اور معاشی معاملہ ہے۔ جدید سماجی علوم کی سطحی معلومات رکھنے والے افراد اب ان معاملات کی اہمیت تسلیم کرتے ہیں مگر یہ اقرار سطحی ہوتا ہے اس لیے کہ معاشرتی اور معاشی مسائل کے بارے میں ان کی سوچ سائنسی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ عام مسلمانوں کا واسطہ مساجد کے امام کے ساتھ ہوتا ہے وہ عام طور پر چار روزہ زندگی کے نظریے کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ مسلمان زیادہ تر توجہ عبادات پر مرکوز کریں اور اگلی زندگی میں جنت کے حصول کو یقینی بنائیں۔ حصول جنت ہمارا مسلمہ نظریہ ہے۔ میرے ذاتی مشاہدہ کے مطابق اس نظریے پر عمل کرنے والے اکثر عبادت گزاروں کی زندگی کیسی بھی دکھ بھری ہو وہ ردعمل ظاہر نہیں کرتے بلکہ وہ دنیا کی تنگی اور ہر دکھ برضا برداشت کر لیتے ہیں۔ اس نظریہ کی غیر متوازن تشریح سے سماجی زندگی پر مرتب ہونے والے اثرات محل نظر ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر فرد قناعت پسند نہیں ہوتا اور نہ آئندہ ہوگا۔ شہرت، دولت اور طاقت حاصل کرنے کے رجحانات انسانی فطرت میں پائے جاتے ہیں۔ عام طور پر ایسے لوگ ہی دنیاوی امور پر زیادہ توجہ دے کر مالی، سماجی، سیاسی اور انتظامی اعتبار سے طاقت حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل برداشت ہوسکتی تھی مگر مشکل یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت عوام پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ مالی امداد کے ذریعے دینی اداروں پر بھی براہ راست یا بالواسطہ اثر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائم کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روایت پرست علماء امیر طبقات کی ناجائز دولت پر بڑا اعتراض نہیں کرتے بلکہ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔ حالانکہ اسلام میں ناجائز دولت کا کوئی جواز نہیں۔ انتخابات کے ذریعے عوام بھی ناجائز دولت کے حامل افراد ہی کو برسر اقتدار لانا اپنے حق میں مفید تصور کرتے ہیں۔ اس وضاحت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کی بعض تعلیمات کی غلط تعبیر و تشریح سے ایسے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں جو ان کی روح سے مطابقت نہیں رکھتے۔

چند روزہ دنیاوی زندگی کے نظریہ کی صحیح تعبیر یہ ہونی چاہیے کہ مسلمان دنیا میں اپنے مختصر قیام کے دوران لوگوں کی بھلائی، ان کے دکھ درد کو دور کرنے کے لیے کام کریں اور اپنی زندگی کو رواداری، انسان دوستی کے اصولوں کے نفاذ اور معاشرتی انصاف کا نظام قائم کرنے میں صرف کریں۔ کاش ہمیں بتایا گیا ہوتا کہ یہ راستہ بھی جنت کو جاتا ہے۔ مرحوم سید نذیر نیازی اسی قسم کے نظام کو نظام صلوٰۃ کہتے تھے۔ یہ تعبیر زندگی سے فرار کا نہیں بلکہ عمل کا مطالبہ کرتی ہے۔ یوں بھی زندگی کے معروضی حالات میں فرار کا راستہ ممکن نہیں ہوتا۔ ہم آگاہ ہیں مسلم معاشروں کی زندگی کرپشن سے بھری ہوئی ہے۔ عملی طور پر ہم کرپشن میں مبتلا ہیں مگر نظری طور پر پرہیزگاری کے قائل ہیں۔ سوچ اور عمل کے اس تضاد سے نجات پانے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم منصفانہ معاشرے کے قیام کے لیے عملی جدوجہد کریں۔ اس بحث سے ثابت ہوا کہ چار روزہ دنیاوی زندگی کے نظریے کی تفسیر میں انصاف کے لیے جدوجہد بنیادی اہمیت رکھتی ہے جبکہ فرار کی جانب راغب کرنے والی تعبیر کرپشن سے مصالحت کی طرف لے جاتی ہے۔ کم سے کم ہم پاکستان کے شہری کرپشن سے مصالحت کر چکے ہیں۔ یہ بات غور کرنے کی ہے کہ کیا مذکورہ نظریے کی ناقص تعبیر کرپشن سے مصالحت کی ایک وجہ نہیں۔

تاریخ نے بار بار ثابت کیا ہے کہ عوام جب بھی پسماندگی میں مبتلا ہوئے ان کی تخلیقی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلاحیت اور ترقی کا جذبہ ماند پڑ گیا۔ یہ بات افراد ہی نہیں قوموں پر بھی صادق آتی ہے۔ آج مسلم اقوام پسماندہ ہیں اور اسی وجہ سے طاقت ور ممالک کے دباؤ میں آ گئی ہیں اور اپنے جرم ضعیفی کی سزا بھگت رہی ہیں۔ متعدد پرائیویٹ جہادی تنظیموں کا وجود اسی سزا کا ردعمل ہے تاہم یہ تنظیمیں مسلمانوں کے جرم ضعیفی کا علاج نہیں۔

علامہ اقبال کی رائے میں انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اسلام کے مقاصد میں شامل ہے۔ تخلیقی صلاحیتوں کا نظریہ انسانوں میں حصول تعلیم، ایجادات اور ترقی کا جذبہ ابھارتا ہے۔ تخلیقی صلاحیتیں اجاگر کر کے ہی ہم دنیا (جو آج عالمی گاؤں بن گئی ہے) میں عزت کا مقام حاصل کر سکتے ہیں اور ظلم وستم کا نشانہ بننے سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ تخلیقی صلاحیتیں کیسے پیدا ہوں گی؟ ظاہر ہے کہ مسلم معاشروں میں فروغ علوم کی تحریک کو کامیاب بنا کر ہی وجود میں آ سکتی ہیں۔ لیکن یہاں مشکل یہ ہے کہ مسلمان مالی وسائل رکھنے کے باوجود علمی وفکری تحریکوں سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ انہیں جو تھوڑی بہت دلچسپی ہے، روایتی مذہب کے فروغ سے ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ ملائشیا کے رہنما نے اسلام کی ایک روشن خیال تعبیر پیش کی ہے جو تخلیقی قوتوں کو بروئے کار لانے کے اصول کے مطابق ہے۔ ڈاکٹر مہاتیر محمد کی اسلام کی تشریح میں جمہوریت، حریت، رواداری اور سماجی انصاف کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ یہ اجزاء پاکستان کی قرارداد مقاصد میں بھی شامل ہیں بلکہ اس میں مساوات بھی شامل ہے مگر ہم نے اس قرارداد میں سے صرف اسلام کا لفظ چن لیا ہے اور اس کا مفہوم ومعنی بھی اپنی مرضی کے مطابق کرلیا ہے، جس کا مقصود روایت پرست حلقوں کی بالادستی کا استحکام ہے۔ ان کی فرسودہ تعبیریں ملک کا قانون بن کر نافذ ہو گئیں۔ جمہوریت، حریت، رواداری اور سماجی انصاف کی باتیں صرف کتابوں کی زینت بن کر رہ گئیں۔ عملاً ہمارے یہاں عرب ملوکیت کے دور کی جامد فقہ کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالادستی قائم ہوچکی ہے۔لوٹ کھسوٹ کرنے والے رہنما سیاسی اور ریاستی طاقت کے مالک بن گئے ہیں۔اس کے برعکس ملائشیا میں کیا ہوا؟ اس کے لیے ہمیں ڈاکٹر مہاتیر محمد کی ایک تقریر کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو انہوں نے ۹ دسمبر ۱۹۹۷ء کو آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس کے اجلاس تہران میں کی۔اس تقریر کے چند نکات بیان کرنے مناسب ہوں گے۔انہوں نے کہا کہ ملائشیا نے سیاسی آزادی کے حصول کے لیے معاشی آزادی سے اغماض نہیں کیا۔انہوں نے تسلیم کیا کہ گلوبلائزیشن نے سبھی ملکوں کے تعلقات کی ایک نئی مساوات اور سطح قائم کردی ہے۔مسلمان کتنا ہی ناپسند کریں اب اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ نئے عالمی تعلقات کی نوعیت کو تسلیم کیا جائے۔انہوں نے کہا کہ گلوبلائزیشن کے عمل نے قوموں کی سرحدوں کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔

انہوں نے آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس کے ارکان کو مشورہ دیا کہ زندگی کی اس نئی حقیقت کو تسلیم کریں۔اس سلسلے میں انہوں نے ٹیلی کمیونیکیشن، ملٹی میڈیا ٹیکنالوجی اور جدید انفارمیشن کے علوم سے نتائج اخذ کرنے کی بھی سفارش کی۔خیال رہے کہ انہوں نے صرف یہ علوم وفنون سیکھنے کی بات نہیں کی بلکہ ان سے مرتب ہونے والے نتائج سمجھنے کی بات کی ہے۔ایک نتیجہ انہوں نے خود بیان کردیا کہ نئی صورت حال نے مسلمان ملکوں کے دروازے بدلتی دنیا نے کھول کر رکھ دیے ہیں۔اس سے پیچھا چھڑانا ممکن نہیں۔اس سے اغماض یا آنکھیں بند کرلینا خودکشی کے مترادف ہے۔انہوں نے اصرار سے کہا کہ مسلمان چاہیں یا نہ چاہیں وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ڈاکٹر مہاتیر محمد نے مسلمانوں کی ناکامی کی وجہ ہی یہ بیان کی ہے (جو صحیح اور غور طلب ہے) کہ وہ بدلتی ہوئی دنیا کے تقاضوں کے مطابق خود کو تیار نہیں کرسکے۔

ڈاکٹر مہاتیر محمد جدید دانشور ہیں جو ان اثرات کو تسلیم کرتے ہیں جو سائنسی ایجادات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے معاشی اور سماجی زندگی پر مرتب کی ہیں۔ خیال رہے کہ روایت پرست افراد ایجادات کو قبول کر لیتے ہیں مگر ان کے اثرات کو نہیں۔ ڈاکٹر مظہر محمد صحیح نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سائنسی صداقتوں کی کلاسیکل علوم کی روشنی میں تردید نہیں کی جا سکتی۔ الہامی تعلیمات کے ابدی اصولوں کے ساتھ ساتھ طبیعیاتی فطرت کے حقائق کو تسلیم کیے بغیر مسلمانوں کے لیے کوئی چارہ کار نہیں۔ یہ باتیں برصغیر میں سو سال پہلے کہی اور لکھی جا چکی تھیں مگر ان کی بنیاد پر کوئی تحریک منظم نہ ہو سکی۔ اس کے برعکس روایتی دینی مدارس، دینی جماعتیں اور ان کا نقطہ نظر معاشرتی فکر پر غالب آ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں آج بھی دینی حقانیت سمجھنے کے لیے از کار رفتہ صدیوں پرانے علم الکلام پر انحصار کیا جاتا ہے جو جدید سائنسی حقائق پر مبنی نہیں بلکہ صنعتی دور کے قبل کے فلسفیانہ دلائل سے اسلام کی حقانیت بیان کرتا ہے۔ ہم پاکستانیوں کی ہمہ گیر پسماندگی کی بڑی وجہ فکری پسماندگی ہے۔ ہمیشہ اور ہر جگہ ترقی کا انحصار مضبوط علمی اور فکری بنیاد پر ہوا کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم مسلمان علمی اور فکری اساس کو کیسے مضبوط بنائیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ مقصد ہم احیائے علم کی تحریک مضبوط بنا کر اور سماج میں فکری آزادی کا ماحول فراہم کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔

(جون 2003ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی اقدار کے معاشی پہلو

ہر معاشرے میں نظریاتی دعووں اور عمل کے مابین کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے۔ اگر نظریاتی اقدار اور عمل ایک سمت میں ہوں اور ان کے درمیان فاصلہ بڑھ نہ رہا ہو تو یہ فرق قابل فہم ہے۔ لیکن اگر فرق رخ کا ہو یعنی فکر کا رخ ایک جانب اور عمل کا دوسری سمت، تو ایسا تضاد خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے۔ مسلم معاشروں میں عام طور پر ایسا تضاد پایا جاتا ہے جو ہمارے عقیدے کی رو سے ناقابل قبول ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ یہ تضاد دور ہو۔ اسے دور کرنے کا سامان پیدا کرنے کے لیے ہم مسلمانوں کو دوسرے اقدامات کے علاوہ اپنے نظریات کی نئی تعبیر وتشریح کرنا ہوگی۔ ایسی تعبیر کی ضرورت عرصہ دراز سے محسوس کی جاتی رہی ہے۔ ماہرین فلسفہ کی جانب سے قابل قدر تعبیریں سامنے آئی ہیں۔ اسلامی نظریات کی معیشرتی (معیشتی اور معاشرتی) تعبیر نو کے حوالے سے کچھ معروضات یہاں پیش ہیں۔ راقم اپنے نظریات پر مفکرین اور ماہرین کی جانب سے تنقید اور تجاویز کے لیے شکرگزار ہوگا۔

ہم بحث کی ابتداء تقویٰ کے تصور سے کرتے ہیں۔ یقیناً تقویٰ بڑی اعلیٰ قدر ہے۔ قرآن کا انسان کے لیے مرکزی اخلاقی تصور تقویٰ ہے جس کا ترجمہ عموماً نیکی اور خوف خدا کیا جاتا ہے، لیکن جس کی متعدد قرآنی حوالوں سے اس طرح تعریف کی جاسکتی ہے کہ ذمہ داری کی ایک ایسی ذہنی کیفیت جس سے انسان کے اعمال جنم لیتے ہیں، لیکن جسے یہ شعور ہے کہ ان اعمال کو پرکھنے کی کسوٹی اس سے باہر کہیں ہے، قرآن کا سارا دائرہ عمل اس کوشش پر مرکوز لگتا ہے کہ انسان میں اس طرح کی کیفیت پیدا کی جائے۔ تقویٰ کی یہ تعریف ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے پیش کی ہے۔ یہ ایک اچھی تعریف ہے مگر لمبی بحث کی طلب گار ہے اور بہت سے سوالات پیدا کرتی ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ ایسی ذہنی کیفیت کیسے پیدا ہوگی جو مخصوص ''ذمہ داری'' کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احساس کو اجاگر کرے کہ انسانی اعمال اخلاقی اقدار کے مطابق سرزد ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسی نفسیاتی کیفیت کے لیے رزق حلال کی شرط لازمی ہے۔ رزق حلال کے حوالے سے تقویٰ کا تعلق معاشی نظام سے جا ملتا ہے۔ رزق حلال ایک بڑی اسلامی قدر ہے۔ رزق حلال کماؤ اور رزق حلال کھاؤ۔ کوئی عبادت اسلام کی رو سے قبول نہیں ہوتی جب تک رزق حلال کی لازمی قدر پر عملدرآمد نہ ہو۔ رائج معاشی نظام میں بہت سے معاملات ایسے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں۔ مثلاً اشیائے تجارت کی ذخیرہ اندوزی ہوتی ہے، سٹہ بازی ہوتی ہے، بہت سے معاشی معاملات کا انحصار ربا یا استحصال پر ہے۔ یہ سب معاملات اسلامی اصولوں سے انحراف ہیں۔ گویا رائج معاشی نظام اس قابل نہیں کہ وہ انسانوں کو حلال رزق مہیا کرے۔ اس معاملہ کا ایک اور پہلو بھی توجہ طلب ہے۔ ذخیرہ اندوزی، سٹہ بازی اور ٹیکس چوری (غلط بیانی) کی کمائی ہوئی دولت اسلامی اقدار کے مطابق حرام ہیں۔ مگر اس دولت سے مساجد اور دینی مدارس تعمیر ہوئے ہیں، چل رہے ہیں اور پھل پھول رہے ہیں۔ کیا یہ تضاد نہیں؟ اور کیا یہ بات اسلامی اقدار کے ساتھ ہم آہنگ ہے؟

حلال کمائی کے معروف تصور سے سب آگاہ ہیں مگر نئی معاشی حقیقتوں کے پیش نظر افراد کی حلال کمائی کے تصور کو جدید پیرائے میں کچھ یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص جو محنت اور دیانت داری سے کام کرے اسے اتنا مشاہرہ یا کمائی میسر آ جانی چاہیے کہ وہ اپنے خاندان کی کفالت کر سکے، اسے اپنے بچوں کی تعلیم، اہل خانہ کے علاج اور مکان کی تعمیر کے لیے حرام کی کمائی (کرپشن) کی رغبت نہ ہو، گویا جس اسلامی قدر کو ہم سادہ سے پیرائے میں رزق حلال کہتے ہیں وہ بڑا گنجلک معاشی مسئلہ ہے۔ خیال رہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں سادہ معیشت کے سبب یہ مسئلہ بھی سادہ تھا مگر اب یہ مسئلہ پیچیدہ بن چکا ہے اس لیے کہ اس کا تعلق جس معاشی نظام سے ہے وہ انتہائی پیچ دار ہے اور پھر اسلام کی رو سے حلال دولت کے خرچ کرنے پر بھی کچھ اخلاقی قدغنیں ہیں۔

جیسا کہ واضح ہے کہ آج کے دور میں فضول خرچی اور عیاشی بھی دولت کمانے کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رغبت پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں مگر اسلام کی رو سے اس رغبت کے تحت کمائی ہوئی دولت جائز نہ ہوگی۔ ناجائز اخراجات تقویٰ کی قدر پر پورے نہیں اترتے۔ البتہ اس امر کا تعین کہ کون سا خرچہ فضول یا عیاشی کے زمرے میں آتا ہے اور کون سا نہیں، الگ بحث کا طلب گار ہے۔ آج بہت سے اخراجات زندگی کی ضرورت شمار ہوتے ہیں جو کچھ عرصہ قبل فضول تصور ہوتے تھے۔ یہ تمام معاملات غور اور بحث طلب ہیں۔

تقویٰ ایک نفسیاتی کیفیت ہے۔ افراد کی نفسیات معاشرے کی مجموعی فضا اور رائج کلچر سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ چنانچہ انسان کی نفسیات کو وسیع معاشرتی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ غربت کفر تک لے جاتی ہے اس لیے غربت کو ختم ہونا چاہیے۔

محض غربت ختم کرنا ہی ایک ایسا مشکل، پیچیدہ اور بڑا مسئلہ ہے جو بیک وقت معیشت کے پیداواری ڈھانچے، دولت کی تقسیم کے نظام اور حکمران طبقے کی معاشی پالیسیوں تک پھیل جاتا ہے۔ پھر نفسیات کا تعلق کلچر سے ہے۔ رائج کلچر کا گہرا تعلق مذہبی افکار اور معاشرتی اقدار سے ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ افکار اور اقدار سماجی ارتقاء کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں اور اگر نہ بدلیں تو معاشرتی ضروریات اور اقدار کے درمیان تضاد پیدا ہو جاتا ہے جس کا انسانی نفسیات پر برا اثر پڑتا ہے۔ پھر نفسیات کا تعلق نظام تعلیم اور سب سے زیادہ میڈیا سے ہے جو سوچ کے انداز پر اثر ڈالتے ہیں۔ سیاسی نظام بھی معاشرے اور افراد کی سوچ کا رخ متعین کرتا ہے۔ جدید دور میں زندگی کا ہر شعبہ پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ کمپلیکس بن چکا ہے۔ پاکیزہ نفسیات کا قیام کمپلیکس زندگی کے سینکڑوں شعبوں کو اس طرح تبدیل اور مربوط کرنے سے منسلک ہے کہ مطلوبہ نفسیاتی کیفیت اجاگر ہو سکے۔ گویا محض عبادت سے نفسیاتی کیفیت متعین نہیں ہوتی بلکہ مشاہدہ ثابت کرتا ہے کہ عام طور پر مذہبی عقائد اور عملی زندگی کے تقاضوں کے تضادات میں پھنس کر ایک عبادت گزار آدمی بھی دوغلہ پن کا شکار ہو جاتا ہے۔

معاشرے کو خوش اسلوبی سے چلانے، اس میں امن و امان قائم رکھنے اور اس کی ترقی و خوشحالی کے لیے موزوں ماحول مہیا کرنے کے لیے ایک مجموعہ اقدار ضروری ہے۔ بہت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سی قدریں تقویٰ کی مرکزی قدر سے براہ راست یا بالواسطہ جا ملتی ہیں۔ خیال رہے کہ اسلامی تعلیمات عام فہم پیرائے میں بیان کی گئی ہیں۔ پیرایہ بیان کی سادگی اچھی بات ہے مگر ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ سماجی ترقی کی سطح بلند ہونے کی وجہ سے زندگی کی پیچیدگیاں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ ان کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج اسلامی تعلیمات کو روبعمل لانے کے تقاضوں میں زمین و آسمان کی تبدیلی آ چکی ہے۔ مثلاً مفلوک الحال افراد کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ایک اہم اسلامی قدر ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں (بلکہ جدید خطوط پر ''قومی ریاست'' کے قیام تک) یہ ذمہ داری صرف نجی نوعیت کی تھی۔ یہ کام انفرادی سطح پر خیرات کے ذریعے خوشحال افراد کی اخلاقی امداد سے ہوتا تھا۔ (البتہ مسلم معاشرے میں خلافت راشدہ کے دور میں حکومت نے بیت المال کے ذریعے کچھ علاقے میں ضرورت مندوں کی مالی اعانت کا بندوبست کیا) مغرب میں نشاۃ ثانیہ کے بعد جب جدید خطوط پر قومی ریاست وجود میں آئی جس نے وسیع مالی اور انتظامی صلاحیت حاصل کر لی۔ یہ صلاحیت حاصل کرنے کے بعد چند یورپی قوموں نے انسانی فلاح کا کام ریاست کے سپرد کر دیا۔ تاہم آج بھی یورپی معاشرے ہمدردی اور انسانی خدمت کے کلچر کا احترام کرتے ہیں۔ وہاں نجی شعبے کے فلاحی ادارے بھی یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ جن اقوام نے فلاحی ریاست قائم کر لی ہے وہ مسلم معاشروں پر اس اعتبار سے سبقت حاصل کر چکی ہیں کہ انہوں نے انسانی فلاح کی جدید دور میں نہ صرف موثر تعبیر کر لی بلکہ اس پر عمل درآمد بھی کیا۔

دوسرے مذاہب کی طرح اسلام چوری، بدامنی، جھوٹ اور غلط بیانی کو رد کرتا ہے۔ ان عیوب کو روکنے اور معاشرہ میں امن و امان قائم کرنے کے لیے احساس ذمہ داری اجاگر کرنے کے علاوہ قانون کے نفاذ کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی زندگی اور اس سے پہلے کے ادوار میں چوری کو روکنے کے لیے ہاتھ کاٹنے کی قانونی سزا مقرر تھی۔ ان ادوار میں جرائم روکنے کا نظم و نسق مقامی سطح پر قبائلی معاشرے کی انتظامی صلاحیتوں کے مطابق ہوتا تھا۔ لیکن آج ذمہ دار معاشروں میں چوری کے مسئلے کو ریاست کی انتظامی اور معاشی دونوں نوع

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ذمہ داریوں سے جوڑا جاتا ہے۔ مسلمان معاشروں میں بھی معاشی ترقی اور انتظامی صلاحیتوں کو بہتر بنا کر یہ یقینی بنانا چاہیے کہ ہر فرد کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کا بندوبست ہو، تاکہ مالی پریشانیاں ایک عام آدمی کے لیے چوری اور مکر کی ترغیب پیدا نہ کریں۔

اسلام کی ایک بڑی قدر آزادی ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں آزادی کا تصور غلام کا کسی فرد کی ملکیت سے رہائی ہوتا تھا۔ تب غلام اور لونڈی کا درجہ سامان تجارت کا ہوتا تھا اسلام نے انہیں انسان تسلیم کر کے بتدریج انہیں حقوق دینے کا سامان کیا اور مکمل آزادی دلانے کے لیے طرح طرح کی ترغیبات دیں۔ بعد ازاں معاشرتی ارتقاء کے زیر اثر روایتی غلامی کا وجود ناپید ہو گیا۔ چنانچہ بہت سے ملکوں کے آئینوں نے اسے غیر قانونی قرار دے دیا ہے۔

موجودہ دور اور جدید علوم کی روشنی میں آزادی کے دو معانی لیے جاتے ہیں ایک معنٰی فرد کی آزادی اور اس کے حقوق ہیں مثلاً پیشے اور ملازمت کی آزادی، خوراک، مکان، تعلیم اور علاج کے حقوق اور پھر آزادیٔ فکر اور سیاسی حقوق۔ آزادی کا دوسرا معنٰی افراد کا حق ملکیت ہے۔ جیسے زرعی اراضی، تجارتی یا صنعتی املاک کا حق ملکیت وغیرہ۔ اگرچہ آزادی کے وسیع معنوں میں دونوں حقوق سموئے جا سکتے ہیں لیکن ان میں باہم ٹکراؤ بھی ہے۔ جو لوگ دوسری نوعیت کی آزادی (افراد کی حق ملکیت) کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ مزارعت کے نظام کے حامی ہوتے ہیں۔ انہیں مزارعوں کی محرومیوں سے سروکار نہیں ہوتا مگر جو لوگ پہلی نوعیت کی آزادی کے حامی ہیں ان کی رائے کے مطابق مزارعت غلامی کی ایک شکل ہے۔ اور صحیح معنوں میں زرعی محنت کشوں کی آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ مزارع جس زمین کی کاشت کرتا ہے اس کا مالک بھی اسے ہونا چاہیے۔ خیال رہے کہ پاکستان میں رائج اسلام اس نظریے کا حامی نہیں۔ اسلامی قانون کے سب سے بڑے ادارے سپریم کورٹ کے شریعت بینچ نے اسلام کے ایسے مفہوم کو صحیح قرار دیا ہے جو کاشتکار مزارعوں کی بجائے غیر حاضر مالکان اراضی کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ شریعت بینچ نے حکومت پنجاب کے اس قانون کو کالعدم قرار دے دیا جس نے پشتوں سے متواتر کاشتکاری کرنے والے "موروثی مزارعین" کو حق ملکیت عطا کیا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گزشتہ صدی میں ملکیتی حقوق کی بحث کا معاملہ پھیل کر کیپٹلوم اور سوشلزم کے نظاموں کی شکل اختیار کر گیا۔ مسلمانوں کے ایک مکتب فکر نے بھی اسلامی معیشت کی تعبیر سوشلسٹ طرز پر کی مگر تجربے نے یہ بتایا کہ سوشلزم کا نظام پیداواری صلاحیت کے اعتبار سے اتنی بہتر کارکردگی کا ثبوت نہیں دے سکا جتنا سرمایہ داری نظام نے پیش کیا۔ خیال رہے کہ سوشلسٹ ملکیت کا نظریہ اس دور میں پیش کیا گیا جب خودکار مشینوں سے پیداوار حاصل کرنے میں جسمانی محنت کا کردار نسبتاً اہم تھا۔ جب پیداواری عمل میں جسمانی محنت کی بجائے دماغی محنت کی اہمیت بڑھ گئی تو سرمایہ داری نظام تیزی سے آگے بڑھنے لگا اس لیے کہ تخلیقی عمل کے لیے سرمایہ داری نظام کی روشن خیال خودغرضی کے علاوہ وہاں موجود آزادی کا ماحول زیادہ موزوں ثابت ہوا۔

یہ بحث ہمیں اس نتیجے تک پہنچاتی ہے کہ ماحول اور فکر کی آزادی تخلیقی عمل کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کیا اسلام فکری آزادی دیتا ہے؟ اس کا جواب اثبات میں ہے۔ تاہم آزادی کی نوعیت پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ فکری آزادی ان حدود میں ہونی چاہیے جو اسلام نے مقرر کی ہیں۔ یہ حدود کیا ہیں اس کے بارے میں کوئی ایک رائے نہیں۔ ہر فرد کے علمی اور سماجی پس منظر کے مطابق یہ حدود گھٹتی بڑھتی ہیں۔ تاریخ نے ثابت کیا ہے کہ جو معاشرہ فکر کی حدود مقرر کرے گا وہ ترقی کی راہوں کو اگر بہت نہیں تو تھوڑا یقیناً مسدود کرے گا۔ مگر ساتھ ہی ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ آزادی کی علمبردار اقوام بعض ایسی کلچرل اقدار سے دور چلی گئی ہیں جنہیں تمام مذاہب اہم قرار دیتے رہے ہیں۔

کیا ہم مسلمانوں کو اخلاقی اقدار کے پیش نظر ترقی کی راہوں کو محدود کرنے پر رضامند ہو جانا چاہیے؟ یعنی کیا مسلم معاشروں میں آزادی کے تصور اور ماحول کو روایتی اخلاقی اقدار کا پابند کر دینا چاہیے؟ یہ موضوع بڑا نازک اور بحث طلب ہے۔

جب ایک ملک معاشرتی آزادی قانونی جبر کے ذریعے محدود کر دے گا تو وہ دوسرے ملک کے مقابلے میں ترقی کے معاملے میں پیچھے رہ جائے گا جو انہیں محدود نہیں کرتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ آج کی دنیا عالمگیریت کی طرف گامزن ہے جو ملک پیچھے رہ جائے گا وہ ترقی یافتہ ملکوں کے استحصال کا شکار ہو جائے گا۔ البتہ اس بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ انسانی اقدار کی پاسداری کے بغیر انسانی زوال شروع ہو جائے گا۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان اقدار کا فروغ کیسے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو معاشرے پسماندہ ہوں وہ اس پوزیشن میں نہیں ہوتے کہ اخلاقی اقدار کے فروغ کا بندوبست کر سکیں۔ معاشرتی اقدار اور تہذیب وتمدن اسی قوم کا فروغ پاتا ہے جو علوم وفنون اور معاشی اعتبار سے ترقی یافتہ ہوں۔ یقیناً مسلم اقوام یہ چاہیں گی کہ وہ دنیا میں اچھی اقدار کے فروغ میں اہم کردار ادا کریں۔ مشکل یہ ہے کہ ایسا کرنے کے لیے انہیں علوم وفنون اور معاشی ترقی کی پیشگی شرط پوری کرنا ہوگی۔ دوسری صورت میں وہ کوئی کردار ادا نہیں کر سکتیں بلکہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں خود بھی اس معاشرتی ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں جو ترقی یافتہ اقوام نے رائج کر رکھا ہے۔

اسلام کی معاشی زندگی کے لیے اقدار وہی ہیں جو عام زندگی کے لیے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ صنعتی اور تجارتی کاروبار اور معاشی رشتوں کو ان اخلاقی اقدار کے تابع ہونا چاہیے جو صدیوں پہلے مسلم مفکرین نے پیش کیے۔ اس کے برعکس سرمایہ داری نظام صاف صاف خودغرضی کے اصول کو معاشی پیداوار کے لیے بنیادی قرار دیتا ہے۔ روایتی سوشلسٹ نظام میں سماجی مفاد کے رویے کو بنیادی اصول قرار دیا گیا۔ ہم نے دیکھا کہ سوشلسٹ نظام نے پیداواری وسائل کو قومی ملکیت میں لے لیا مگر وہ سماجی ذمہ داری کا احساس اجاگر نہ کر سکا بلکہ اس نظام میں خودغرضی کا رویہ جاری وساری رہا اور اس نے پیداواری عمل کو بری طرح سے متاثر کیا۔ قومی ملکیت کے نظام میں خودغرضی کے رویے کی موجودگی ایسا تضاد تھا جو مستقل قائم نہ رہ سکا چنانچہ سوشلسٹ نظام کا روایتی تصور پائیدار ثابت نہ ہوا۔ طویل تجربے کے بعد اکثر سوشلسٹ ملکوں نے اپنا نظریہ ترمیم کر لیا یا ترک کر دیا اور پیداواری وسائل کی ملکیت کو نجی قرار دے دیا۔ دوسری طرف ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک نے اپنی ملکی حدود میں خودغرضی کے رویے میں اصلاح کر لی اور اسے روشن خیالی کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیا۔ خیال رہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موخرالذکر تبدیلی سوشلسٹ نظریات کی مسابقت کی وجہ سے ہوئی۔ لیکن جہاں تک مسلم معاشروں کا تعلق ہے وہاں اخلاقی ذمہ داری کا احساس اجاگر نہ ہوا۔ مسلمہ طور میں معاشی اور معاشرتی نظام نے انسانی قدروں کے تعین میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ مسلم ممالک میں نجی ملکیت کا نظام ہے مگر جمہوری عمل موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں رائج خودغرضی کا رویہ روشن خیالی کے تابع نہ ہوسکا اس وجہ سے بے لگام کرپشن خوب پھلی پھولی۔

اسلام کے نظریے کے مطابق ملکیت کا تصور نجی نہیں۔ ملکیت خدا کی ہے۔ مگر ہم کسی ایسے ادارے یا انتظامی ڈھانچے کی نشاندہی نہ کرسکے جس کے ذریعے اس تصور کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔ چنانچہ بعض مفکرین نے یہ تصور پیش کیا کہ جس فرد کے پاس دولت یا پیداواری وسائل موجود ہیں وہ اس کا امین ہے اور بطور امین وہ ان کو انہی اصولوں، اقدار اور قواعد وضوابط کے مطابق استعمال کرنے کا پابند ہے جو اسلام نے مقرر کی ہیں۔ موخرالذکر تصور کی بنیاد پر بھی معاشی ادارہ سازی نہیں ہوئی۔ فی الواقع یہ صرف ایک اخلاقی تصور ہے اور اس کا تعلق دولت مند فرد کی سوچ اور کردار سے ہے۔ اس سے مقصود ایک سوچ اور کردار کو اخلاقی تصور کے تابع رکھنا ہے۔ اس اخلاقی تصور کو کسی ریاستی ادارے کے ذریعے بروئے کار لانا ممکن نہیں۔ اگر کسی صنعت کار کو ریاستی قانون کا پابند بنادیا جائے کہ وہ اپنے وسائل اپنی صوابدید کی بجائے حلال و حرام کے اصولوں کے مطابق استعمال کرے تو وہ اداراتی ضمانت کے فقدان کی بنا پر سرمایہ کاری ہی سے دست کش ہو جائے گا اور یوں مسلمان معاشروں میں سرمایہ کاری کی رفتار رک جائے گی۔ (مذکورہ اسلامی تصورات کی راقم کی نظر میں تعبیر اس پیرا کے آخر میں موجود ہے) حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے معاشی نظام کی مستقل شکل پیش نہیں کی البتہ اخلاقی اقدار دی ہیں۔

معاشی نظام کا تعلق پیداواری وسائل اور پیداواری رشتوں سے ہوتا ہے۔ جوں جوں پیداواری وسائل اور رشتوں کی نوعیت تبدیل ہوگی اس سے پیدا ہونے والے تقاضے معاشی نظام کے خدوخال اور اداروں میں تبدیلی پیدا کرتے رہیں گے۔ تاہم چونکہ مارکیٹ اکانومی کے فیصلے ہمیشہ منصفانہ نہیں ہوں گے اس لیے ذمہ دار معاشروں کے ماہرین انصاف

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے تقاضوں کے مطابق معاشی اداروں کی قطع و برید کرتے رہیں گے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی ملکیت اور افراد کے امانت دار ہونے کے اسلامی تصورات اس یاددہانی کا فریضہ اداکرتے ہیں کہ پیداواری وسائل اور مال و دولت استعمال کرتے وقت مخلوق خدا کے مفاد اور انسانی فلاح کے مقاصد کو پیش نظر رکھا جانا چاہیے۔

اوپر بعض اسلامی تصورات پر جو بحث کی گئی وہ اس اساس پر تھی کہ مسلم ملکوں کو اپنے تصورات بروئے کار لانے کے لیے اپنے ملک کی حدود میں موثر اختیار حاصل ہے۔ حالانکہ یہ بات پوری طرح صحیح نہیں۔ ملکی حاکمیت پر اثر انداز ہونے والے بہت سے عالمی ادارے، بین الاقوامی اور دو طرفہ معاہدات اور متعدد دوسرے عناصر وجود میں آ چکے ہیں۔ دنیا ایک نئی صورت حال سے دوچار ہو رہی ہے۔ راقم کا اشارہ عالمی گاؤں کی طرف ہے۔ دنیا میں متعدد اعتبار سے قربت آ رہی ہے تاہم ابھی عالمگیریت اور سائنسی ترقی کے اثرات پوری طرح وقوع پذیر نہیں ہوئے۔ ان سے مرتب ہونے والے اثرات کا سردست صحیح اور پورا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ اس لیے اس مضمون میں اس امر پر غور نہیں کیا گیا کہ مستقبل کے عالمی تناظر میں اسلام کے تصورات کی تعبیر اور تشریح کیا ہوگی۔

یہاں تھوڑا رک کر مذکورہ بالا بحث سے نتائج اخذ کر لینے مناسب ہوں گے۔ پہلا سبق یہ ہے کہ اسلامی اقدار کی بھرپور کامیابی کے لیے خارجی حالات کا موزوں ہونا لازمی ہے۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ ابھی تک ان اقدار کے فروغ کے لیے موزوں حالات پوری طرح دستیاب نہیں ہوئے اور یہ بھی کہ یہ دستیابی آسان نہیں۔ ان دو نتائج نے ثابت کیا ہے کہ اسلامی اقدار ایک ''پروگرام'' نہیں بلکہ ''آئیڈیل'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ خیال رہے کہ کبھی خارجی حالات سے مراد ملک کا مجموعی نظام ہوتا تھا مگر سائنسی ترقی کی وجہ سے اب نظام کا دائرہ عالمی وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ عالمی گاؤں کا نظم و نسق اکیلے مسلم نمائندوں کے ہاتھ میں نہ ہوگا۔ دنیا کی بھی اقوام، سبھی مذاہب اور سبھی تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے نمائندے اس کام میں شریک ہوں گے تاہم اس پیش رفت کا اسلامی اقدار سے ٹکراؤ پیدا ہونا لازمی نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ اسلامی اقدار بھی یقیناً ہمہ گیر انسانی اقدار ہیں۔ البتہ اس سلسلہ میں ہم مسلمانوں کو ایک اہم سبق سیکھنا ہے۔ اس کا تعلق عالمی گاؤں کی خوشحالی اور ترقی سے ہے۔ جیسا کہ تنگ نظر لوگوں کا خیال ہے مسلم اقوام دوسری اقوام کے ساتھ اس دنیا میں رہنے پر "مجبور" ہیں۔ ہم یہ جبر ختم کر سکتے ہیں یوں کہ سب اقوام افہام و تفہیم اور بین الاقوامی قوانین کے احترام سے ہمسائگی کو خوشگوار بنالیں اس طرح وہ انسانی اقدار کے فروغ میں آسانی بھی پیدا کر سکتی ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیریت کے حوالے سے کچھ باتوں کا مختصراً ذکر ہو جائے۔ جیسا کہ ظاہر ہے ہم مسلمان پسماندہ ہیں اس لیے عالمی رہنمائی کا کردار ادا کرنے کی صلاحیت سے عاری ہیں۔ دوسری طرف ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ دنیا کی سپر پاور کی پالیسی اپنے ملک اور حکمران ٹولے کی خود غرضانہ مفاد کے تحت چل رہی ہے۔ چنانچہ جائز طور پر بہت سے لوگ خطرہ محسوس کرتے ہیں کہ عالمی گاؤں کا نظام جابرانہ ہوگا۔ مگر دوسری طرف پرانے یورپ اور بہت سے دوسرے ممالک میں بین الاقوامی قوانین کا احترام (قومی مفادات کے ہمراہ) پایا جاتا ہے۔ اس لیے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ تمام تر طاقتور ممالک احساس ذمہ داری سے مکمل طور پر عاری ہیں۔ میرے خیال میں بہت سے ترقی یافتہ ممالک میں امن اور بین الاقوامی قانون کے احترام کا جذبہ (کسی نہ کسی حد تک) پایا جاتا ہے۔ حال ہی میں ہمیں ایسے شواہد ملے ہیں کہ مغربی معاشرے فکری ارتقاء اور سائنسی ترقی کے عالمگیر اثرات کے جبر کے تحت بہت سے انسانی معاملات کو محض مالی مفاد سے نہیں بلکہ انسانی فلاح کے پیمانے پر بھی پرکھنے کی جانب مائل ہونے لگے ہیں۔ تاہم انسانی فلاح کا معاملہ ایک آئیڈیل ہے۔ یہ آئیڈیل ہر دوسرے آئیڈیل کی طرح پرفیکٹ صورت میں حاصل نہ ہوگا مگر یہ آئیڈیل بیکار نہیں ہے۔ اس کے حصول کی تگ ودو آج بھی خوبی رکھتی ہے۔

انسانی فلاح کے برعکس عالمگیریت کا رجحان آئیڈیل نہیں بلکہ زمینی حقیقت کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ اسلام زمینی حقائق کو پوری طرح تسلیم کرتا ہے جیسا کہ ہم آگاہ ہیں قرآنی آیات کا زمین حقائق سے گہرا تعلق ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے دور میں جب کوئی

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورت حال پیش آئی یا کوئی مسئلہ سامنے آیا تو اس کے مطابق کوئی ہدایت اور قرآنی آیت آئی۔ کھلی آنکھ والا ہر فرد دیکھ رہا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ایجادات زمینی حقائق میں ایک بڑی تبدیلی پیدا کر رہی ہیں۔ سائنس، تکنیکی ترقی اور نئے پیداواری وسائل نے مندرجہ ذیل اثرات مرتب کیے ہیں:۔

(i) قوموں اور ملکوں کے درمیان فاصلوں کو کم کر دیا ہے۔

(ii) انسانوں اور سامان تجارت کی دوسرے ملک میں نقل مکانی کو آسان بنا دیا ہے۔

(iii) مہلک ہتھیاروں نے جنگی تباہ کاریوں کا خوف پیدا کر کے امن کی ضرورت کو اجاگر کر دیا ہے۔

(iv) قوموں کو بالآخر نفرت اور جنگ کی پالیسی سے اجتناب کرنا ہوگا۔ تاہم عالمگیریت کے دور میں بھی بعض قوموں کی بالادستی قائم ہوگی مگر یہ بالادستی علوم وفنون یا تہذیب وتمدن اور تکنیکی ترقی کی وجہ سے ہوگی۔

(v) قوموں کے مابین معاشی انحصار بڑھ گیا ہے اور عالمی معیشت کے فروغ میں زبردست اضافہ ہوگیا ہے۔

(vi) ملکوں کی داخلی حاکیت کا تصور کمزور ہو چکا ہے جو مستقبل میں مزید کمزور ہو جائے گا۔ بالآخر بہت سے معاملات بین الاقوامی نظم ونسق کے اداروں کے اثر اور اختیار میں چلے جائیں گے۔

(vii) نئی صورت حال میں متعدد ممالک باہمی رضامندی سے معاشی بلاک بنانے لگے ہیں۔ یقیناً کچھ ملک کسی نہ کسی نوعیت کے سیاسی بلاک کی طرف بھی پیش رفت کریں گے۔

(viii) علوم وفنون کی مہارت اور سپیشلائزیشن کے بعض اثرات اچھے ثابت نہیں ہوئے۔ اس کے نتیجے میں جدید علوم وفنون کی حامل اقوام کی معاشی اور سیاسی بالادستی قائم ہو گئی ہے۔ ترقی یافتہ ملک امیر سے امیر تر اور پسماندہ ملک غریب سے غریب تر ہو گئے ہیں۔ اس صورت حال نے عالمی سطح پر بھی منصفانہ نظام کی اہمیت کو اجاگر کر دیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے تاکہ امیر و غریب اقوام کے درمیان فرق پاٹا جا سکے۔ یہ کام بڑی مہارت، خصوصی توجہ، وقت اور منظم محنت کا طلب گار ہے۔

(ix) سپیشلائزیشن کے برے اثرات ظاہر ہونے کے بعد یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ زندگی کے ایسے ہمہ گیر نظریے کی ضرورت ہے جو ذہنی تناؤ کم کرے، منصفانہ ہو، انسان دوست ہو اور بین الاقوامی اخلاقیات کا حامل ہو۔ یہ احساس فی الحال مضبوط نہیں۔

عالمگیر معاشی نظام کے موجودہ رجحان سے پسماندہ ممالک کی حالت خراب تر ہو رہی ہے۔ ان کی تکنیکی پسماندگی، علوم و فنون کی پسماندگی اور جمہوری پسماندگی ان کی محرومیوں کو زیادہ گھمبیر بنا رہی ہیں۔ آج کی صورت حال میں انہیں صرف وہی حقوق ملیں گے جو ترقی یافتہ ممالک انہیں دینا چاہیں گے۔ شاید یہ امکان اب بھی ہے کہ پسماندہ ممالک اتحاد و اتفاق کے ذریعے ترقی یافتہ اقوام سے بہتر سلوک حاصل کرلیں۔ اگر ان میں اتحاد و اتفاق قائم نہ ہو سکا اور پسماندہ ممالک میں تفریق قائم رہی تو بلاشبہ ان کی پسماندگی کی موجودہ سطح کا برقرار رہنا بھی مشکل ہوگا۔ غالباً کچھ پسماندہ معاشرے بڑی تباہی سے دوچار ہو جائیں گے۔ صرف وہی معاشرے زندہ رہیں گے جو ترقیاتی کلچر اختیار کر کے تیزی سے جدید علوم و فنون اور معاشرتی ترقی حاصل کرلیں گے اور اس طرح عالمگیر نظام سے استفادہ کرنے کی پوزیشن میں آ جائیں گے۔ علوم و فنون کی ترقی کی کوشش بہت سے ملکوں میں کی جائے گی مگر کامیاب وہی کوشش ہوگی جو منظم تحریک کی صورت اختیار کرلے گی۔ میں تاکیداً عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم مسلمانوں کے مستقبل کا انحصار ترقیاتی کلچر اختیار کرنے اور فروغ علم کی تحریک کے سائنسی خطوط پر منظم ہونے پر ہے۔ آج کے دور کی اہم خصوصیات رفتار کی تیزی اور سوچ اور طریق کار کا سائنسی ہونا ہیں۔ جن مسلم ممالک کی علمی فروغ کی تحریکیں یہ خصوصیات پوری کرلیں گی ان کے لیے کامیابی کی راہیں کھلتی جائیں گی۔

(نومبر 2003ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے کلچر کے سیاسی پرتو

بہت سے لوگ جرنیلوں اور ججوں کو جمہوریت کے فروغ میں حائل اور عدم استحکام کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ فوج کو اس لیے کہ اس نے منتخب حکومتوں کو برخاست کر کے مارشل لاء نافذ کیا اور عدالتوں کو اس لیے کہ انہوں نے آئین ساز اسمبلی اور متعدد قومی اسمبلیوں کی منسوخی کو تسلیم کر لیا۔ یقیناً مارشل لاء اور عدالتی فیصلے جمہوری عمل کے تسلسل میں مداخلت تھے۔ مارشل لاء کے ادوار میں جمہوریت کشی ہوئی۔ یہ افسوس ناک بات تھی۔ مگر ذرا غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ دونوں طرح کے اقدام ایک اعتبار سے ایک گہرے مرض کی علامات ہیں، جس کی جڑیں ہمارے کلچر، فکری انتشار، معیشت (سوشیو اکنامک) نظام، انتظامی ڈھانچے اور قبائلی یا فیوڈل سٹرکچر میں پائی جاتی ہیں۔ اس مضمون میں کلچر اور فکری انتشار کے حوالے سے کچھ معروضات پیش کی جائیں گی۔

ہمارے یہاں موجود کلچر جمہوری عمل کے فروغ میں مدد نہیں دیتا۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں مختلف کلچر پایا جاتا ہے۔ دیہی علاقوں کا کلچر بڑے شہروں کے کلچر سے مختلف ہے پھر کئی دیہی علاقوں میں فیوڈل اثر کم ہے، کئی میں زیادہ ہے، بہت سے علاقوں میں قبائلی نظام موجود ہے۔ بہت سے قبائلی علاقوں میں معاشرت اور سوچ کا انداز ترقی یافتہ علاقوں کی نسبتاً پسماندہ ہے۔ قبائلی باشندے قبائلی روایات کے پوری طرح پابند ہوتے ہیں مگر جہاں قبائلی نظام موجود نہیں مثلاً بڑے شہر وہاں بھی لوگوں میں نسلی تعصب پایا جاتا ہے۔ مثلاً بیٹی کا برادری کے باہر شادی سے احتراز، لاہور میں ارائیں اور کشمیری برادری کی تقسیم، کراچی میں ایم کیو ایم اور دوسرے لسانی گروہوں کی تقسیم وغیرہ الیکشن کے دوران برادریوں اور لسانی تعصبات کی بنیاد پر ترجیحی سلوک ہوتا ہے۔ تعصبات جمہوری عمل میں فوجی دخل اندازی کے باعث نمایاں ہوئے۔ غیر جماعتی انتخابات نے ان تعصبات کو ابھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیال رہے کہ شہروں تک میں برادری کی روایات کا اثر موجود ہے۔ خاندانی زندگی کے بہت سے امور برادری کا سربراہ طے کرتا ہے۔ جب خاندان کا سربراہ وفات پا جاتا ہے تو برادری اکٹھی ہو کر بڑے لڑکے کی دستار بندی کر کے نیا سربراہ مقرر کرتی ہے۔ دیکھا جائے تو قبائلی سردار برادری کا سربراہ اور خاندان کا سربراہ دورِ وسطیٰ کے مطلق العنان حکمرانوں کی بچی کھچی روایات کی پیروی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مرد چاہے بیکار ہی کیوں نہ ہو اپنی تھکی ماندی بیوی سے کہے گا کہ اس کے لیے پینے کا پانی لاؤ۔ اگر بیوی مرد سے یہ کہہ دے کہ خود اٹھ کر پانی پی لو تو یقیناً یہ حکم عدولی کی سنگین واردات ہوگی۔ کسی لڑکے کی شادی طے ہونا ہو تو یہ معاملہ اگر دادا زندہ ہو تو وہ طے کرے گا، بصورت دیگر اس کا تایا یا باپ طے کرے گا۔ اس طرزِ زندگی کی چاہے کچھ خوبیاں بھی ہوں گی مگر اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری نفسیات میں تحکمانہ رویہ پایا جاتا ہے جو جدید جمہوری اقدار سے متصادم ہے۔

سیاست میں اس کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ مزارع بڑے زمیندار کے حکم کے مطابق ووٹ دے گا۔ شہریوں کی سیاست میں کسی نہ کسی حد تک برادری کا مفاد یا دھڑے بازی انتخابی نتائج پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ پڑھے لکھے یا شہر میں آباد لوگ جسے وزیر اعظم کہتے ہیں دیہی آبادی کا معتدبہ حصہ اسے اب بھی بادشاہ کہتا ہے۔ البتہ یہ شعور ضرور ہے کہ آج کل کا بادشاہ انتخابی عمل سے مقرر ہوتا ہے۔ عام لوگ وزیر اعظم کی مطلق العنانیت کا گلہ نہیں کرتے بشرطیکہ وزیر اعظم کا تعلق ان کے پسند کے دھڑے سے ہو، انہیں اگر کوئی شکایت ہے تو پٹواری، تھانیدار سے (یعنی بدانتظامی سے) ہے یا پھر مہنگائی اور بے روزگاری سے ہے۔ دیہات ہی نہیں شہروں میں بھی بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جن سے اگر یہ شکایت کی جائے کہ ان کی پسند کا وزیر اعظم کرپٹ تھا یا اس نے فلاں سیاسی حریف کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا حتیٰ کہ مخالف کو قتل کرایا تو وہ تاریخی جواز یوں بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ ہمیشہ سے اپنے اقتدار کے لیے اسی نوعیت کے اقدام کرتے آئے ہیں۔ البتہ یہ بات بھی صحیح ہے کہ جب تک جمہوری عمل سے روگردانی جاری رہے گی اس رویے میں تبدیلی نہ آئے گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عوام کی سوچ معاشرے کی ساخت کی عکاس ہوتی ہے اور اس پر طرز حکمرانی کی چھاپ ہوتی ہے، جس میں وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ طویل آمرانہ طرز حکومت نے جمہوری اقدار کو پنپنے نہیں دیا، جمہوری اقدار سے مراد ہے اظہار رائے کی آزادی، مخالف کے لیے رواداری کا جذبہ، قانون کی حکمرانی وغیرہ۔ ہمارے حکمران طبقے نے عوام کو تعلیم دینے اور ان کے جمہوری شعور کو آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی۔ اس لیے کہ وہ خود لوٹ مار اور غیر جمہوری ہتھکنڈوں سے حکومت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خواص کے طبقے سے تعلق رکھنے والے رہنماؤں نے عوام کو مایوسی میں مبتلا کیا ہے۔ اس طرح قوم کے مجموعی غیر جمہوری رویے کا الزام عوام کی بجائے خواص پر عائد ہوتا ہے۔ مگر ہم جس مسئلے پر بحث کر رہے ہیں، یہ ہے کہ وجہ کچھ بھی ہو ہمارے ملک کے شہری، عوام ہوں یا خواص، فی الحال جمہوریت کے فروغ اور استحکام کے لیے کوئی اہم کردار ادا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ان کی عدم دلچسپی کی وجہ سے فوج اور عدالتیں یہ خطرہ محسوس ہی نہیں کرتیں کہ ان کا جمہوریت کو نقصان پہنچانے والا کوئی قدم یا فیصلہ قوم میں مزاحمت پیدا کرے گا۔ خیال رہے کہ عوامی شعور جمہوریت کا اصل محافظ ہوتا ہے۔ یہ شعور ناپید تو نہیں۔ شعور یقیناً کسی نہ کسی حد تک موجود ہے مگر عوام کا یہ شعور انہیں آمادہ کرنے کے لیے تیار نہیں کہ وہ حکمران طبقے کے غلط قدم کے خلاف احتجاج کی موثر آواز بلند کریں۔

پاکستان کے قیام کے بعد بااثر طبقوں میں جمہوریت کے تصور کے بارے میں فکری یکسوئی نہ رہی۔ روایت پسند تنظیمیں "اسلامی نظام" کے قیام کے لیے کوشاں ہو گئیں۔ ان تنظیموں کا جمہوریت کے بارے میں تصور غیر واضح تھا مگر ان میں یہ بات مشترک تھی کہ اسلامی نظام بڑے وسیع معانی رکھتا ہے اور اس نظام کے احاطے میں حکومت اور معیشت شامل ہیں۔ اسلامی اقدار کی حد تک وضاحت کا انہیں حق تھا مگر معاملہ آگے بڑھ کر ریاستی اور معاشی اداروں کی ساخت تک وسیع ہو گیا۔ یہ معاملات الگ مہارت کے طلب گار تھے (مگر ماہرین نے غالباً مارے خوف کے خاموشی میں عافیت محسوس کی) پچاس کی دہائی میں پاکستان کی سیاست میں سیاسی رہنما اور سیاسی کارکن دو دھڑوں میں بٹ گئے، ایک جمہوریت پسند تھا جس کی اسلام

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے مراد اسلامی اقدار تھیں اور دوسرا اسلام پسند تھا جو غیر واضح اسلامی نظام پر مکمل عملدرآمد چاہتا تھا۔ جمہوریت پسند حلقے علماء اور ان پر مشتمل کسی ادارے کو بالادست قانونی حیثیت نہ دینا چاہتے تھے۔ اس کے مقابلے میں اسلام پسندوں کا جمہوریت کا تصور معمول سے ہٹ کر تھا مثلاً یہ کہ کوئی شخص خود کو امیدوار کے طور پر پیش نہیں کر سکتا، الیکشن کی مہم میں حصہ نہیں لے سکتا وغیرہ۔ مزید براں ان کا اصرار تھا کہ جمہوریت اور امور مملکت کو اسلام کی اس تعبیر کے تابع رکھا جائے جسے وہ پیش کرتے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء سے پہلے جمہوریت پسند اور اسلام پسند دونوں دھڑے اپنے اپنے نظریات پیش کرنے کے لیے آزاد تھے مگر 1977ء میں پی این اے کی تحریک چلی جو پیپلز پارٹی کی فیوڈل سوشلسٹ حکومت کے بعض استبدادی اقدامات کے خلاف تھی، کچھ بیرونی اور اندرونی خفیہ طاقتیں بھی اس تحریک کے پیچھے تھیں، اس تحریک کے محرکات کچھ بھی تھے اس نے جمہوریت پسند اور اسلام پسند قوتوں کو ایک پلیٹ فارم اور ایک پروگرام پر متفق کر دیا۔ ان قوتوں نے اتفاق کر لیا کہ اسلامی نظام رائج ہوگا اور رائج معیشت کے مالی شعبے سے سود کو خارج کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ ذوالفقار علی بھٹو کی مخالفت میں مصلحت کے طور پر کیا گیا۔ یوں بھی ہمارے اکثر سیاسی رہنما معاشی نظام کی پیچیدگیوں سے آگاہ نہیں ہوتے اور نہ ہی انہیں ایسی آگاہی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ وہ اپنا کام نعروں اور جھوٹے وعدوں سے چلا لیتے ہیں۔ یہاں پی این اے کے رہنماؤں کے اجلاس (جس میں منشور پر بحث ہوئی) کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اجلاس کی کارروائی مجھے پی این اے کے ایک جنرل سیکرٹری ملک وزیر علی نے سنائی۔ انہوں نے بتایا کہ جب سود کا معیشت سے اخراج کا مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ نجی ملکیت پر قائم معاشی نظام سے سود بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات دینی جماعتوں کو ناگوار گزری۔ ایک عالم دین نے اصرار کیا کہ سود خارج ہو سکتا ہے، وزیر علی صاحب کچھ دیر سود کے کردار کی وضاحت کرتے رہے جس سے بحث تلخ ہو گئی۔ ایک دوسرے دینی رہنما نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ جس روز اقتدار میں آئیں گے اسی روز سود کو خارج کر کے دکھائیں گے۔ یہ دعویٰ سننے کے بعد وزیر علی صاحب کچھ دیر کے لیے اجلاس سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باہر آ گئے اور پی این اے نے اپنے منشور میں سود خارج کرنے کی شق منظور کر لی۔

جب ضیاء الحق کا مارشل لاء جاری ہوا تو انہوں نے اسلامی قوانین رائج کرنے کے مقصد سے علماء کرام کا مطالبہ منظور کر لیا کہ اسلامی قوانین کا تعین فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ کا شریعت اپیلیٹ بینچ کرے گا۔ اس طرح قانون بنانے کا اختیار جو جمہوریت کی رو سے پارلیمان کو حاصل ہوتا ہے وہ بالواسطہ مذکورہ عدالتوں کے پاس چلا گیا۔ بعد ازاں یہ اختیار ہائی کورٹوں نے آرٹیکل 2-A کے تحت اپنے دائرہ اختیار میں بھی شامل کر لیا۔ اس طرح قانون بنانے کا اختیار (اجتہاد) منتخب اسمبلی کی بجائے عدالتوں کے زیر اثر چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ عدالتوں کے جج اللہ کی طرف سے نہیں آتے بلکہ ان کو نامزد کرنے کا اختیار ایک خطا کار انسان یعنی صدر کے پاس ہوتا ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام کی ایک سے زیادہ تعبیریں ہوئی ہیں اور ہو سکتی ہیں مثلاً بہت سے عالم دین معاشی وسائل کی ملکیت پر قدغن لگانے کے خلاف ہیں۔ اس کے برعکس امام جعفر صادقؒ اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے میں جاگیروں کی بخشش خلافِ اسلام ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے نامزد کردہ دو علماء ججوں نے زرعی اراضی کی غیر محدود ملکیت کو اسلام کی رو سے جائز قرار دیتے ہوئے لینڈ ریفارم کے قانون کو خلاف اسلام قرار دے دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی کہ حلال طریقے سے کمائی گئی دولت پر اسلام کوئی قدغن نہیں لگاتا۔ کاش تاریخ سے واقف کوئی وکیل عدالت میں موجود ہوتا جو جج صاحبان کی خدمت میں یہ وضاحت کرتا کہ برصغیر میں جاگیریں انگریز آقا کی خدمت کے عوض عطا کی گئی تھیں، کیا یہ حلال ہو سکتی ہیں؟ اور کیا حلال کی کمائی سے بڑی زمینداریوں کے قیام کا کوئی امکان بھی ہے؟ میں یہاں علماء جج صاحبان کے بارے میں اپنی حیرت کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیا واقعۃً انہیں علم نہیں تھا کہ بڑی زمینداریاں کیسے وجود میں آئیں۔ چیف جسٹس نے دو علماء جج صاحبان کا ساتھ دیا اور یوں تین ججوں کا اکثریتی فیصلہ دو ججوں کی اختلافی رائے پر سبقت حاصل کر کے اسلامی قانون کے طور پر نافذ ہو گیا۔ اس واقعہ سے مندرجہ ذیل اسباق حاصل ہوتے ہیں:۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1۔ اسلام کے قانون کی کوئی ایک متفقہ تعبیر موجود نہیں۔

2۔ اسلامی قانون کی وضاحت کا دارومدار صدر کے مقرر کردہ جج صاحبان پر ہے اگر صدر نے کراچی کے مولانا طاسین اور لاہور کے ڈاکٹر محمد یوسف گورایا کو جج بنا دیا ہوتا تو فیصلہ وہ نہ ہوتا جو ہوا۔

3۔ اسلامی عدالتوں کا وجود عوام کے منتخب قانون ساز ادارے کے حق اجتہاد سے متصادم ہے، جس نے 1977ء میں زرعی اصلاحات کا قانون بنایا۔

4۔ آئین کی ترمیم جس کی رو سے اسلامی عدالتیں قائم کی گئیں جمہوریت کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ (یہ ترمیم ایک فوجی آمر نے کی جس نے جمہوری عمل کو پیچھے دھکیلا)

جمہوری اور معاشی نظام کے بارے میں ہمارے معاشرے میں فکری یکسوئی نہیں، بلکہ انتشار پایا جاتا ہے جو بجائے خود جمہوریت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ پیپلز پارٹی کے بڑے لیڈر اور مسلم لیگ کے دانشور اس فکری انتشار کے خطرات سے واقف نہیں مگر وہ فکری انتشار دور کرنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ اس انتشار کی بڑی وجہ روایت پسند نظریات ہیں جن پر کھلی بحث آسان نہیں۔ یوں انتشار سے پیدا ہونے والی مشکلات بدستور موجود ہیں اور رہیں گی تاوقتیکہ قومی قیادت جرأت منداور روشن خیال لیڈر شپ کے پاس نہ آ جائے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک فوجی آمر کے ایماء پر اسلام کے نام لیوا ایسے گروہ قائم ہوئے جو جمہوریت کے کھلم کھلا مخالف تھے۔ افغانستان پر طالبان کے قبضے کے بعد پاکستان میں بھی ایسے گروہ موجود تھے جو علی الاعلان کہتے تھے کہ وہ اسلحہ کے استعمال سے اپنی پسند کی اسلامی حکومت قائم کریں گے۔ مثلاً خلافت یا طالبان کی طرز حکومت جو شیعہ فرقے، قومیت پرست حلقوں اور معتدل عوام کی بھاری اکثریت کو قابل قبول نہ تھی۔

اسلام ہماری زندگی میں بڑی اہمیت کا مالک ہے۔ اسلام کے حوالے سے ہم اخلاقی قدروں کا تعین اور مذہبی عبادات ادا کرتے ہیں۔ ان امور میں کوئی مشکل نہیں پڑتی اس لیے کہ ہر مسلمان اپنی اپنی فقہ کے مطابق قدریں اور رسومات طے کر لیتا ہے۔ مشکل وہاں ہوتی ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں اجتماعی نوعیت کے مسائل اور یکساں قومی نظریات اور قوانین کا طے کرنا درکار ہوں۔ کسی نے خوب کہا کہ اسلام مسلمانوں کو جوڑتا ہے اور توڑ بھی سکتا ہے۔ جب برصغیر کے مسلمان قائد اعظم کی رہنمائی میں اسلام کی تفصیل میں نہیں گئے تو وہ متحد ہو گئے اور جب ہم جنرل ضیاء الحق کے دور میں اسلامی نظام کی تفصیلات میں گئے تو فرقوں میں بٹ گئے اور فقہی اختلافات کی بنیاد پر کئی دہشت گرد گروہ قائم ہو گئے۔

اب تک ہمارے یہاں جمہوری عمل معمول کے مطابق نہیں چلا اور نہ آئندہ ہمارے حکمران طبقات اسے آسانی سے چلنے دیں گے۔ اس صورت حالات میں اعلیٰ عدالتیں عجیب مخمصہ میں مبتلا ہیں۔ جج صاحبان پاکستانی شہری کی حیثیت سے ایک طرف معیشت کی ٹوٹ پھوٹ دیکھتے ہیں، دوسری طرف وہ نظم ونسق کی شکستگی سے آگاہ ہیں، تیسری طرف رہنماؤں کی کرپشن زبان زد عام ہے۔ چوتھی طرف جج صاحبان کو ایسے تجزیے پڑھنے کو ملتے ہیں کہ فلاں عنصر پاکستان کی سالمیت یا معیشت کے لیے خطرہ پیدا کر رہا ہے، یہ سب معاملات اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کے پیش نظر ہوتے ہیں۔ کرپٹ رہنماؤں کے وکلاء اور اخبارات کے تجزیہ نگار ججوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ نہ کچھ دیکھیں، نہ سنیں، نہ غور کریں۔ کیونکہ آپ قانون شہادت کے قیدی ہیں۔ آپ پڑھیں تو صرف قانون کی شقوں کو یا جمہوریت کی کتابی تعریف کو۔ آپ کا اس سے کوئی سروکار نہیں کہ اندھے قانونی فیصلے کے سماجی، سیاسی اور معاشی نتائج کیا برآمد ہو سکتے ہیں۔

مگر تصویر کا دوسرا رخ بھی ہے پاکستان جیسے نیم فیوڈل نیم جمہوری معاشرے میں بعض مراحل آئے جب ملک کے استحکام اور معیشت کی ضروریات کے تقاضے دوسرے تھے۔ مثلاً خزانے میں زرمبادلہ کے ذخائر موجود نہیں تھے۔ افراط زر کنٹرول سے باہر تھی۔ ایسے وقت میں معاشی بحران پر قابو پانے کی ضرورت تھی۔ اس کے برعکس حزب اقتدار اور حزب اختلاف میں جنگ جاری تھی۔ لوٹ کھسوٹ ہو رہی تھی۔ جس کا خطرناک اثر قومی خزانے پر تھا۔ گویا دونوں قسم کے بحران موجود تھے، معاشی اور سیاسی۔ ظاہر ہے کہ سیاسی بحران دور کیے بغیر معاشی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحران پر قابو پانا ممکن نہیں۔ ایسے مرحلے پر اگر عدالت برخاست شدہ حکومت کو بحال کر دے تو معاشی بحران بے قابو ہو جاتا ہے۔ ایسے مرحلے میں عدالت نے ایسا نہ کیا۔ مگر اس فیصلے نے ایسے نئے بحران کی داغ بیل ڈال دی جس نے مستقبل میں جمہوری عمل کے فروغ کے لیے سنگین مشکلات پیدا کر دیں۔ راقم یہ تسلیم کرتا ہے کہ عدالتی فیصلہ صحیح نہیں۔ مگر خرابی کا اصل مسئلہ ناپختہ سیاستدانوں کا کمزور کردار تھا۔ ان کا اپنا عمل جمہوریت کا مددگار نہیں تھا۔ افسوس یہ کہ ان کی پارٹیوں میں کوئی گروہ یا موثر لیڈر موجود نہیں تھا جو پارٹی لیڈر کو تباہ کن رویے سے روک سکتا۔ (اگر اس قابل کوئی آدمی ہوتا تو کبھی کا پارٹی سے خارج ہو چکا ہوتا) گویا معاملہ سادہ نہیں، گنجلک ہے یوں کہہ لیجئے کہ نقص کمزور کردار کا ہے، کمزور فکر کا ہے، غلط تربیت کا ہے الختصر خرابی کلچر کی ہے۔

پاکستان کی مالیات کے بحران کی جڑیں ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دور میں گہری ہو چکی تھیں۔ اس دور میں معاشی ترقی کے لیے کوئی اہم اقدام نہیں ہوا۔ 1985ء کے بعد بحران بڑھانے کے لیے بڑی حد تک ذمہ دار خود وزیر اعظم رہے ہیں، ان پارٹیوں کے وزیر رہے ہیں، ان پارٹیوں کے سیاست دان رہے ہیں اور ان کے چہیتے بیورو کریٹ اور بنکوں کے صدر رہے ہیں، جو ایک دوسرے کی مدد سے قومی وسائل کو لوٹتے رہے۔ خیال رہے کہ جمہوری نظام میں کلیدی عہدوں پر سرکاری حکام متعین کرنے کا اختیار وزیر اعظم کو حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ مالیات کے بحران کی اور بھی وجوہات ہیں مگر جب تک حکمران گھرانوں کی منظم لوٹ مار ختم نہیں ہوتی دوسری وجوہ کو کنٹرول کرنا مشکل ہے۔ میری رائے میں حکومت کو برخاست کرنے کی ایک بنیاد مالیات کا بحران دور کرنے میں نااہلی بھی ہونی چاہیے۔ یہاں اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ برخاست کرنے کا حق کس کے پاس ہو۔ ظاہر ہے کہ حق فوج یا اس کے نمائندوں کے پاس نہیں ہونا چاہیے۔ اگر حکومت کی برخاستگی میں فوج کو آئینی اختیار مل گیا تو جمہوری عمل بری طرح مسخ ہوگا اور فوج کے تراشے ہوئے جعلی لیڈروں کا لامتناہی سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ میری رائے میں برخاستگی آئین کی رو سے خود بخود واقع ہونی چاہیے۔ اگر کسی دور حکومت میں معاشی بحران پیدا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتو اسے بحران پر قابو پانے کے لیے دو سال کی مہلت ملنی چاہیے۔ اگر دو سال کی مدت میں زر مبادلہ کے ذخائر ایک مقررہ مقدار (مثلاً درآمدات کی سالانہ مالیت) کے برابر نہ لا سکے یا قومی پیداوار کی شرح نمو پانچ فیصد کے برابر نہ لا سکے یا انفلیشن کی شرح چھ فی صد سے کم نہ کر سکے تو وہ برخاست تصور ہوگی۔ ایسی صورت میں عبوری قومی حکومت چھ ماہ کے دوران نئے انتخابات کرانے کی پابند ہوگی۔

سچی جمہوریت پسند قوتوں کو انتظامیہ اور قومی زندگی کے دوسرے شعبوں میں کرپشن کنٹرول کرنے کے مسئلہ کو اہمیت دینا ہوگی۔ مگر جہاں تک قومی رہنماؤں کی کرپشن کا تعلق ہے اس سطح پر کرپشن روکنے کے لیے میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں کہ اگر وزیر اعظم اپنی وزیر کی کرپشن نہ روک سکے تو قانون کی نظر میں (لیگل فکشن کے طور پر) وزیر اعظم کو اس وزیر کی کرپشن میں ملوث تصور کیا جائے گا تا آنکہ وہ متعلقہ وزیر کو برخاست نہ کرے اور اگر وزیر اعظم بذات خود کرپشن میں مبتلا ہو تو احتساب کی عدالت میں اس پر چارج فریم ہونے کے بعد عہدے سے قانونی مفروضہ کے ذریعے مستعفی تصور کیا جائے۔ یہ شق مالی بحران پر قابو پانے میں مدد دے گی۔ کیونکہ صرف کرپشن سے پاک وزراء ہی اپنے محکموں کو کرپشن سے پاک کرنے کے اہل ہوں گے۔ مسلح افواج میں کرپشن ختم کرنے کی غرض سے اشیاء کی خرید و فروخت کے لیے نیا، بہتر اور شفاف نظام رائج کرنا ہوگا۔

بہت سے لوگ اس بات پر حیرانی کا اظہار کرتے ہیں کہ جب بھارت میں انتخابی عمل کامیابی سے چل رہا ہے تو کیا وجہ ہے کہ پاکستان میں ایسا نہیں ہو رہا۔ میرے خیال میں بھارت میں انتخابی عمل کو جو کامیابی حاصل ہوئی اس کا دارومدار ایسے عناصر پر ہے جو پاکستان میں نہیں پائے جاتے۔ بھارت میں جمہوری عمل اس لیے چلا کہ وہاں قوم میں سیکولر نظام پر اتفاق تھا۔ وہاں سرمایہ داری نظام کو فروغ حاصل ہوا اور یوں جمہوری عمل آگے بڑھا۔ بھارت میں کسی حکومت نے پاکستان کی طرح چھوٹے چھوٹے نجی کارخانوں کو نہیں قومیایا۔ بھارت نے تکنیکی ماہرین پیدا کیے جو معاشی ترقی کی رفتار تیز کرنے کا باعث بنے۔ بھارت میں سیاسی عمل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاری رہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں عوام کا الیکشن پراسس پر اعتماد ہے۔ وہاں قومی سطح کی احتجاجی تحریکیں نہیں اٹھیں جبکہ پاکستان کے حزب اختلاف کے رہنما الیکشن کے چند ہفتے بعد آل پارٹیز کانفرنس بلانے کی تیاریاں شروع کر دیتے رہے اور ایجنسیوں کے اشارے کے منتظر رہے۔ بھارت میں جمہوری عمل کی کامیابی کی بڑی وجہ کانگرس کی سیکولر قیادت تھی اگرچہ بھارت بھی تنگ نظر مذہبی معاشرہ ہے مگر اس کی قیادت بڑے عرصے تک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور روشن خیال تھی لیکن اگر تنگ نظر مذہبی جنونی سیاسی جماعتیں مستقل طاقت اختیار کر گئیں تو بھارت کا جمہوری مستقبل تاریک ہو جائے گا۔

پاکستان میں جمہوری عدم استحکام کی ایک وجہ معاشی عدم استحکام تھی۔ ضیاء الحق کے مارشل لاء نے سرمایہ کاری کی جانب حسب ضرورت توجہ نہ دی اور بعد ازاں منتخب حکومتوں نے معاشی بحران کو سنگین کر دیا۔ پاکستان کے بیشتر شہری یہ تاثر رکھتے ہیں کہ بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف نے ریاستی طاقت کی بنیاد پر اربوں روپے کی کرپشن کی۔ گزشتہ تینوں الیکشن کے موقعوں پر میں نے لاہور کے کچھ عام شہریوں سے ان کی رائے دریافت کی۔ یہ رائے سن کر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ہر شہری بڑے لیڈروں کی کرپشن کی وجہ سے مایوسی کا شکار ہے۔ کچھ لوگ اس قدر مایوس ہیں کہ پولنگ سٹیشن جانے کی زحمت کے لیے تیار نہیں۔ تھوڑے بہت لوگ جو ووٹ ڈالنے گئے ان کا بھی تاثر یہ تھا کہ اگرچہ دونوں پارٹیوں کے بڑے راہنما کرپٹ ہیں مگر جس پارٹی کے امیدوار کو انہوں نے ووٹ دیا ہے اس کے رہنما کی کرپشن کمتر ہے۔ کرپشن کو طرز زندگی قبول کرنے کے رویہ نے عوام میں ذمہ داری کا جذبہ پیدا نہیں ہونے دیا۔ جسے میں ایک مثال سے ظاہر کروں گا۔ 1997ء میں میاں نواز شریف نے اور اسی سال میں بھارت کے نرسیما راؤ نے ٹیکس ایمنسٹی سکیموں کا اعلان کیا۔ میاں نواز شریف کی حکومت کو اس سکیم کے ماتحت صرف 17 کروڑ روپے ٹیکس وصول ہوا جبکہ نرسیما راؤ کی حکومت کو 189 ارب روپے کی وصولی ہوئی۔ کرپشن کے دلدادہ لیڈروں کی خدمت میں عرض ہے کہ کرپشن کو طرز زندگی کے طور پر قبول کر کے معاشی ترقی ان معاشروں میں ہو سکتی ہے جہاں بہت بڑے پیمانے پر بیرونی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سرمایہ کاری ہو یا دفاعی اخراجات کا اتنا بوجھ نہ ہو جتنا ہماری معیشت پر ہے۔

ہمارے یہاں جمہوریت کی نام لیوا سیاسی پارٹیوں کی تنظیمی ساخت بھی جمہوری نہیں۔ پاپولر پارٹیاں (جن کو ہمارے یہاں جمہوری پارٹیاں کہا جاتا ہے) کے باقاعدہ انتخابات نہیں ہوئے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ لیڈر اپنی حیثیت بطور مختار کل کے برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ پارٹی کے اندر انتخابات کے نتیجے میں ٹوٹ پھوٹ ہو جاتی ہے انتخاب ہارنے والا امیدوار اور اس کا حامی گروہ ناراض ہو جاتا ہے اور بعض اوقات پارٹی سے باہر چلا جاتا ہے شاید پارٹیوں کی ساخت کو مکمل طور پر جمہوری بنانا سر دست مشکل ہے۔ فی الحال انہیں جمہوری اصولوں کے نزدیک لانے کی کوشش ہی کافی ہوگی۔ مناسب ہوگا کہ انتخابات صرف پارٹی کے قومی صدر اور صوبائی و ضلعی صدور کے ہوں اور یہ صدور اپنی اپنی تنظیموں کے دوسرے عہدے دار اپنی صوابدید کے مطابق مقرر کر کے ان کی تصدیق پارٹی کی متعلقہ کونسل سے کرا لیں۔

ہمارا المیہ دوہرا ہے اول یہ کہ پاکستانی معاشرے اور ریاست کی ساخت جمہوریت کے لیے سازگار نہیں اور دوم یہ کہ ہمارے ملک کی یک جہتی کے لیے جمہوری نظام کی اشد ضرورت ہے۔ لسانی اعتبار سے پاکستان کی ساخت ایسی ہے کہ جمہوریت کے علاوہ کوئی بھی سسٹم ملک کی توڑ پھوڑ کا باعث ہوگا۔ چنانچہ جس مشکل مرحلے سے آج ہم گزر رہے ہیں یہ ہے کہ کمزور جمہوری کلچر کے باوجود جمہوری قواعد کے مطابق زیادہ سے زیادہ عمل ہو اور یہ نظام ٹھوکریں کھاتے رہنے کے باوجود آگے بڑھتا جائے حتیٰ کہ جمہوری کلچر فروغ پانے لگے۔ یہاں پھر ایک بڑی مشکل ہے کہ جمہوری کلچر کے فروغ اور جمہوری نظام کی کامیابی کے لیے پاکستان کو ایسی معیشت کی ضرورت ہوگی جس کا رخ ترقی اور انصاف کی جانب ہو۔ یہ پیش رفت تبھی ممکن ہوگی اگر قومی مالیات بحران میں مبتلا نہ ہو۔

عام اصول کے مطابق جمہوری نظام کی جڑیں لوکل سیلف گورنمنٹ میں ہوتی ہیں مگر ہمارے ملک کے بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں بڑے زمینداروں اور قبائلی سرداروں کا سیاسی اور سماجی کنٹرول ہے اور یہ اندیشہ بالکل بجا ہے کہ ان علاقوں میں ضلع کی منتخب حکومت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وڈیروں اور سرداروں کے مضبوط کنٹرول میں چلی جائے گی۔تصویر کے دونوں رخ دیکھنے کے بعد میری رائے یہی ہے کہ لوکل سیلف گورنمنٹ کی سکیم پر عمل درآمد ابتدائی مشکلات سے گزرنے کے بعد بالآخر قوم کے لیے مفید ثابت ہوگی۔یہ فریضہ عوامی سیاسی پارٹیوں پر چھوڑ دیا جائے کہ عوام کو وڈیروں اور سرداروں کے چنگل سے نجات دلانے کے لیے موثر تحریک پیدا کریں۔شاید ایسی تحریک کے امکانات نمایاں ہی تب ہوں گے جب وڈیروں اور سرداروں پر مشتمل مقامی حکومت سے عوام کو براہ راست واسطہ پڑے گا۔

مذکورہ بالا سطور کا ماحصل یہ ہے کہ پاکستان کے موجودہ حالات میں جمہوری عمل کے تسلسل میں متعدد دشواریاں حائل ہیں اور ابھی کچھ عرصہ حائل رہیں گی۔ان دشواریوں پر قابو پانے کے لیے کرپٹ رہنماؤں کے محاسبہ کی ضرورت ہے۔ریاستی اختیارات کی ڈی سنٹرلائزیشن کی ضرورت ہے، پرتشدد انقلاب کا راستہ روکنے کی ضرورت ہے اور شفاف انتخابی عمل جاری کرنے کی ضرورت ہے۔جوں جوں جمہوریت کے لیے موزوں سوشیو اکنامک آرڈر (معیشرتی نظام) پروان چڑھے گا جمہوری نظام ترقی پاتا جائے گا۔منصفانہ معیشرتی نظام قائم کرنے کے لیے تمام جمہوریت پسند قوتوں کے درمیان بڑے بڑے نکات پر اتفاق رائے قائم ہونا بہتر ہوگا تاکہ معاشی عمل کا تسلسل جاری رہے۔ہمیں یہ بات تسلیم کرنی چاہیے کہ ضروری نہیں کہ ایک ہی سیاسی جماعت وفاق اور تمام صوبوں میں برسراقتدار آئے۔نئی سیاسی حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہوئے لسانی بنیادوں پر قائم سیاسی پارٹیوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا جانا چاہیے۔ایسی جماعتیں یا گروہ جو مسلح انقلاب کے ذریعے اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے جمہوریت پسند قوتوں اور ریاستی قوتوں کے مابین افہام وتفہیم ہونی چاہیے۔

جمہوریت کے فروغ کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز مناسب معلوم ہوتی ہیں:

1۔ آئینی عمل میں فوج کی مداخلت رک جائے۔

2۔ معاشی استحکام کی طرف تیزی سے پیش قدمی کی جائے پیشتر اس کے کہ عوام مہنگائی اور بھوک سے تنگ آ کر سنگین صورت پیدا کر دیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

3۔ اسلامی قوانین کی عدالتوں کی پارلیمان پر بالادستی ہو اور دوہرے عدالتی نظام کو ختم کیا جائے۔

4۔ ترقیاتی منصوبہ بندی بھی علاقائی وسائل کی نوعیت کے مطابق علاقائی سطح پر ہوتا کہ علاقوں کے مابین معاشی فرق دور ہو سکے۔

5۔ ماہرین کے سیاسی کارکنوں، علماء اور رائے عامہ بنانے والوں کے ساتھ رابطے بڑھانے کا سامان۔

6۔ مذہبی تعلیم کے نصاب میں ایسا لٹریچر شامل کیا جائے کہ غور و فکر کی صلاحیت بڑھے اور انسان دوستی کا رویہ ابھرے۔ پاکستان میں مذہبی اعتبار سے روشن خیالی کا دور تب شروع ہوگا جب اسلام کی تعبیر میں انسانی فلاح کے اصول کو اہمیت دی جائے گی۔ یہ معاملہ پاکستان کے دانشوروں کے طے کرنے کا ہے کہ گلوبل ویلج میں اسلام کا مقام اور کردار کیا ہوگا؟ یہ بھی طے کرنا ہوگا کہ ہم اکیسویں صدی کی سائنسی ترقی کے تقاضوں کے ساتھ کیسے ہم آہنگ رہیں گے۔

7۔ مخلوط انتخابات کا اصول اپنایا جائے، پاکستانی قوم میں مذہب کی بنیاد پر تفریق نہ کی جائے۔

8۔ انتخابی عمل اور اندرون ملک سیاسی معاملات میں خفیہ ایجنسیوں کی مداخلت ختم کی جائے۔

ان خطوط پر مضبوط فکری تحریک کا پروان چڑھنا جمہوریت اور ملک کے استحکام کا باعث ہوگا۔

(دسمبر 2003ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آمریت اور کرپشن کی کلچرل بنیادیں

ہم پاکستانی بنیادی طور پر تحکم پسند ہیں اور کمزوروں سے اطاعت طلب کرتے ہیں۔ سیاسی زندگی میں اس کلچر کا پرتو کچھ اس طرح ظاہر ہوا ہے کہ سماجی طور پر طاقتور افراد اقتدار حاصل کرنے کے لیے جائز یا ناجائز حربہ استعمال کرتے ہیں۔ حصول اقتدار کے لیے قانون شکنی ہمارا معمول ہے۔ ہمارے یہاں الیکشن ہارنے کا حوصلہ نہیں۔ مؤثر رہنماؤں کو اقتدار ہر قیمت پر چاہیے انہیں مخالفت قبول نہیں۔ مخالف نظریات کی حامل قوتوں کے مابین رواداری اور باہمی تبادلہ خیال کا رواج نہیں۔ البتہ ان میں ایجی ٹیشن کے محدود مقصد کی خاطر وقتی اتحاد ہوسکتا ہے۔ ہمارا حکمران منتخب ہو یا فوجی، قانون سے بالاتر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام میں بھی قانون کا خوف جو انگریز کے دور میں پایا جاتا تھا آہستہ آہستہ ختم ہو گیا ہے۔ المختصر اپنے مزاج کے اعتبار سے ہم فی الحال جمہوری نہیں۔ ہمارے یہاں سیاسی لیڈر جمہوری نہیں، عوامی ہوتا ہے۔ یعنی وہ عوامی جذبات سے کھیل کر اور مبالغہ آمیز وعدے کر کے مقبولیت حاصل کرتا ہے۔ وعدے پورے کرنے کے لیے اس کے اور اس کی پارٹی کے پاس ذہنی اور انتظامی صلاحیت نہیں ہوتی۔ یوں بھی ہمارے لیڈروں کے وعدے ناقابل عمل ہوتے ہیں۔ کم از کم معاشی اور نفاذ اسلام کے پیش کردہ پروگرام قابل عمل نہیں۔ اقتدار حاصل کرنے کے بعد جب ان کا واسطہ ماہرین سے پڑتا ہے تو انہیں صورت حال سے کچھ آگاہی ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا صورت حال اس ضرورت کو جنم دیتی ہے کہ اقتدار کے دوام کے لیے سخت اقدامات کیے جائیں۔ یہی بات حکمران کو قانون سے بالاتر بننے کی ترغیب دیتی ہے۔ حکمران

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فوجی ہو یا سیویلین اپنی سیاسی طاقت مجتمع کرنے کے لیے کرپشن کو بطور سیاسی حربہ استعمال کرتا ہے۔ وہ کبھی پسند نہیں کرتا کہ محاسبے کا کوئی غیر جانبدار اور موثر نظام قائم ہو، جو اس کے لیے خطرے کا باعث بن سکے۔ ایسے نظام کی غیر موجودگی میں وہ خود بھی کرپشن میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کرپشن میں مبتلا ہونے کی وجہ سے وہ عوام کے جذبات سے مزید کھیلتا ہے تاکہ عوام کی طاقت کے سہارے وہ ریاست کے ان اداروں کو مفلوج کر دے جن سے وہ خطرہ محسوس کرتا ہے۔ یہ رویے ہماری پسماندگی کا ایک سبب ہیں۔

''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' ہمارے طرز حکومت کا بنیادی اصول رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ لاٹھی فوج کی زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ جہاں جمہوری ادارے کمزور ہوں اور رائے عامہ جمہوریت کی حفاظت کا کردار ادا کرنے کے لیے تیار نہ ہو، بالخصوص جہاں سیاست دان منتخب حکومت کے خاتمے کے لیے خفیہ سازشیں کریں، وہاں فوج کے اعلیٰ حاکم کے لیے اقتدار پر قبضہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ 1958ء کے بعد ہم نے مشاہدہ کیا کہ بیشتر حکمرانوں نے ریاستی طاقت کی لاٹھی سے سب کو ہانکا۔ حکمران اپنی لاٹھی صرف سیاستدانوں ہی پر نہیں چلاتا بلکہ وہ اس سے تمام اداروں، جن میں قانون نافذ کرنے والے اور قانون کی تشریح کرنے والے ادارے شامل ہیں، سبھی کو ہانکتا ہے۔ ریاستی طاقت کے غلط استعمال کا رویہ ہمارے کلچر کا حصہ بن چکا ہے۔ اس کا چھوٹے اور عوامی سطح پر اظہار پولیس کا سپاہی کرتا ہے۔ اس کے جسم پر سجی یونیفارم اسے قوت بخشتی ہے، ذمہ داری کا احساس نہیں۔

دیکھا جائے تو پاپولر لیڈر کے نیم آمرانہ رویہ کا اظہار ہمارے دیرینہ کلچر کی نئی شکل ہے۔ مسلم تاریخ میں حکمران ہمہ مقتدر رہا ہے۔ اس نے اقتدار میں دوسروں کو شریک نہیں کیا۔ اس کے وزیر ہوتے تھے اور مشیر بھی، مگر وہ ان کی رائے کا پابند نہیں تھا۔ آج کے دور کا منتخب حکمران بھی وزراء کو شریک اقتدار نہیں کرتا۔ ایک دور جمہوریت میں کسی وزیر کو وزیراعظم سے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لیے کئی کئی ماہ انتظار کرنا پڑا۔ اس سے پہلے دور ''جمہوریت'' میں ایک وزیر نے جو کبھی فکری استاد ہوتا تھا، اپنی ہڈیاں اس جرم میں تڑوالیں کہ اس نے وزیر اعظم سے شکوہ کیا کہ آپ نے اجلاس میں تشریف لانے میں تاخیر کر دی۔

پاپولر لیڈر خود کو جمہوری پابندیوں سے آزاد رکھنے کے لیے عوامی سیاست کا کھیل کھیلتا ہے۔ وہ ڈرامائی حربوں سے عوام کا دل جیتتا ہے اور ایسے طبقہ، جسے وہ جیت نہ سکے، کو دباتا ہے۔

اختیارات کے ارتکاز کو (سوائے نیو کلاسیکل سکول سے تعلق رکھنے والے حلقے کے) مذہبی رہنماؤں کی عام طور پر تائید حاصل رہی ہے۔ متعدد مذہبی رہنما جمہوری نظام کو اسلامی تسلیم نہیں کرتے رہے۔ آج بھی کھلے عام خلافت کے نظام کی حمایت کرتے ہیں، جس کی خصوصیت یہ تھی کہ خلیفۃ المسلمین کسی منتخب ادارے کے سامنے جواب دہ نہ تھا۔ یقیناً خلیفۃ المسلمین دیانتدار تھے، دولت سے پیار نہیں کرتے تھے، سچے تھے، منصف تھے، سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ اخلاقی اقدار خوف خدا کی وجہ سے پیدا ہوتی تھیں مگر یہ اقدار مستقبل کے حکمرانوں میں نہ رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوری ملکوں نے قانون کے ذریعے حکمران کے لیے مدت اقتدار مقرر کر دی اور انہیں منتخب نمائندوں کے سامنے جواب دہ بنایا۔ آج ہم مسلمانوں میں نہ مطلوبہ اخلاقی قدریں موجود ہیں اور نہ ہی ہم جمہوری قواعد کو دل سے تسلیم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے یہاں آمرانہ رویوں کا اظہار پاکستان کے باہر بھرپور انداز میں ہو چکا ہے۔ متعدد عرب ملکوں میں عملاً ایک سیاسی پارٹی کی حکومت ہوتی ہے بلکہ بعض ملکوں میں صدر مملکت کے عہدہ کے لیے وراثت کا اصول کارفرما رہا ہے۔

قوت کے ارتکاز اور کرپشن میں گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں ہمہ مقتدر حکمران کی کرپشن روکنے کے لیے ایک ہی چیک بیان کیا جاتا ہے۔ یہ چیک خدا کا خوف ہے۔ خدا کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوف اجاگر کرنے کے لیے عبادت کی تلقین کی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں یقیناً دو بڑے عبادت گزار حکمران گزرے ہیں۔ مشاہدہ سے ظاہر ہوا ہے کہ عبادت انہیں اپنی سماجی ذمہ داری ادا کرنے پر آمادہ نہ کر سکی۔ ایک عبادت گزار فوجی حکمران نے اپنے دور اقتدار میں ٹیکس ادا کرنا تو کجا انکم ٹیکس کی ریٹرن بھی داخل نہ کی۔ عبادت گزار منتخب حکمران نے کرپشن کے نئے معیار قائم کیے بلکہ کرپشن کی دولت کو معاشی ترقی کا زینہ بنانے کی سرکاری پالیسی اختیار کی۔ راقم کا بطور ٹیکس قانون دان کاروباری حلقے سے قریباً بیالیس سال واسطہ رہا اس نے سیاسی اور معاشی معاملات کا بغور مطالعہ کیا ہے اس کے مشاہدہ کے مطابق ہمارے یہاں عام طور پر لوگوں میں ملک، قوم اور سماج کے معاملات میں کسی قسم کی دینی اور اخلاقی ذمہ داری کا احساس نہیں۔ عملاً دین اور دنیا دو الگ الگ معاملات ہیں۔ ذمہ داری سے فرار کے رویہ سے دنیاوی زندگی میں کتنی خرابی پیدا ہو رہی ہے، اس سے عام مسلمان کو کوئی سروکار نہیں، چاہے عام لوگوں کی زندگی کو دنیا میں جہنم میں بدل دیا جائے۔ اسے غرض صرف اس بات سے ہے کہ وہ اگلے جہاں کی دوزخ سے بچ جائے۔ وہ ظلم اور کرپشن کے جرم کو عبادت کے ذریعے دھونا چاہتا ہے تاکہ اللہ کے پاس اس کا مواخذہ نہ ہو۔ راقم کی رائے میں کرپشن روکنے کے لیے عبادت کے ساتھ سماجی سوچ بدلنے، اور چیک اور بیلنس کا نظام قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ سوچ میں تبدیلی حقوق العباد کے نئے تصور کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ آج کے دور میں حقوق العباد میں فرد کی آزادی کے ساتھ اور ٹیکس کی ادائیگی کی ذمہ داری شامل ہے۔

سیاسی کلچر کے اعتبار سے پاکستان اتنا بھی پسماندہ نہیں کہ صدر کا بیٹا صدر مقرر ہو۔ پاکستان کے ووٹر یقیناً جذباتی اعتبار سے روایت پرست مذہبی ہیں، مگر عملی زندگی میں وہ روایت پرست علماء کو اپنا رہنما تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ علماء صرف ان علاقوں سے جہاں صدیوں پرانا قبائلی کلچر مضبوط ہے الیکشن جیت سکتے ہیں۔ ان علاقوں سے منتخب ہونے والے علماء چاہے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دل سے طالبان طرز کا نظام حکومت پسند کریں مگر وہ بھی حصول اقتدار کے لیے اچھے یا برے جمہوری عمل کا حصہ بننا قبول کر لیتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان برصغیر کا حصہ ہے جہاں انتخابی عمل کے لیے تھوڑی بہت دلچسپی پائی جاتی ہے۔ پاکستانی معاشرہ کو جدیدیت اور روایت پسندی کے رجحانات کی حامل قوتیں وراثت میں ملی ہیں۔ علی گڑھ اور دیوبند مکاتب فکر کا پرانا جھگڑا ایک طرح سے پاکستان میں ظاہر ہوا ہے۔ یہاں جدیدیت اور روایت پرستی کی تحریکیں متوازی چلتی رہی ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ سرسید احمد خان اور علامہ اقبال نے مذہبی افکار کی تشکیل نو کی جو کوشش کی اسے عوامی مقبولیت حاصل نہیں ہو سکی۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ عوام جو مذہبی نظریات کے اعتبار سے روایت پرست ہیں سیاسی میدان میں اپنا ووٹ جدیدیت پسند لوگوں کو دیتے ہیں۔ یہ بھی بڑی دلچسپ بات ہے کہ بہت سی روایت پسند اور جدیدیت پسند قوتیں اپنے اپنے نظریات پر کاربند رہتے ہوئے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کرپشن میں مبتلا ہو چکی ہیں۔ جدیدیت پسندی میں یقیناً پیپلز پارٹی سب سے آگے ہے مگر کلچر کی پسماندگی وہاں بھی موجود ہے۔ یہ پارٹی جس میں پاکستان کے اعلیٰ تعلیم یافتہ سیکولر دانشمند موجود ہیں انہوں نے اپنی راہنما کو مختارِ کل تسلیم کرتے ہوئے زندگی بھر کے لیے چیئر پرسن منتخب کر رکھا ہے۔ اس پارٹی میں ''جمہوریت'' کا یہ عالم ہے کہ پارٹی لیڈر چاہے کتنا نامور کیوں نہ ہو وہ پارٹی سربراہ کی رائے سے اختلاف کی جرأت نہیں کر سکتا۔

بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ پاکستان میں سیاسی پارٹی کے اندر تو آمریت چلتی رہی ہے مگر پارٹی ملک میں جمہوریت کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ملک میں آمرانہ نظام تباہی کا یقینی ذریعہ ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک میں آباد لسانی قوتیں ملک کے نظام میں مؤثر حصہ طلب کرتی ہیں، جو ان کا جائز حق ہے۔ خیال رہے کہ پارٹی کے اندر جمہوریت بحال

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کا مطالبہ کرنے والا کوئی موجود نہیں، اس لیے کہ ایسا مطالبہ اس کی سیاسی خودکشی پر منتج ہو گا۔ ہمارے ملک میں ایک سیاست دان جیل کی سزا تو قبول کر سکتا ہے میدانِ سیاست سے اخراج کی نہیں۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ جدیدیت پسند عوام کا بڑا حصہ ملکی سیاست میں دلچسپی چھوڑ چکا ہے۔ جدیدیت پسند طبقے کا حصہ جو ابھی متحرک ہے وہ اگر خود کرپٹ نہیں تو عام طور پر کرپٹ راہنماؤں کا آلۂ کار ہے۔ کیونکہ یہی رویہ مقامی سطح پر اس کی چودھراہٹ کے لیے مفید ہے۔ یہ صورت حال بڑی تشویشناک ہے۔ یہ صورت پیدا کرنے میں فوجی حکومتوں کا بہت بڑا کردار ہے۔ بالخصوص ضیاء الحق حکومت نے وقت کے پہیے کو الٹا چلا دیا۔ غیر جماعتی انتخابات کے انعقاد نے ان نام نہاد سیاستدانوں کو سیاسی اقتدار دلوا دیا جو ذہنی اعتبار سے تیار تھے کہ قانون سازی اور محاسبہ کے اختیارات رکھنے والی قومی اسمبلی کا نیا نام مجلس شوریٰ (مشورے کی مجلس) رکھ دیں۔ یہی بات یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ سیاست دانوں کی نئی کھیپ فوجی حکمران کی بالادستی قبول کرنے کے لیے تیار تھی۔

وزیراعظم جونیجو کی جبری روانگی کے بعد ان کے جانشین نے پہلے اپنی پارٹی اور بعد میں ملک کے نظام میں آمریت قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس میں کچھ کامیابی بھی حاصل کر لی۔ (شاید آمریت مکمل صورت اختیار کر لیتی اگر مسلم لیگ کا پیش کردہ شریعت بل سینٹ پاس کر دیتی) آمریت کے قیام کی کوشش پر مجھے حیرت نہیں، دکھ اس بات پر ہے کہ پاکستان میں پہلی بار ملک کی سب سے بڑی عدالت پر عوامی حملہ کرایا گیا۔ شاید عالم اسلام کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ جب ہمارے سیاسی کلچر کی حالت اس قدر ناقص ہے تو جمہوریت کے فروغ کے امکانات کیسے روشن ہوں گے۔ اس بارے میں میری عرض یہ ہے کہ ہمیں حقیقت تسلیم کرنی چاہیے۔ اگر ہم حقیقت تسلیم نہیں کریں گے تو جمہوریت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے امکانات روشن بنانے کے لیے جس کلچرل انجینئرنگ کی ضرورت ہے اس کے لیے درکار اقدامات ہم کیسے اٹھائیں گے۔ جیسے کہ ہم آگاہ ہیں سیاسی کلچر کو موجودہ حالت تک پہنچانے کے لیے مارشل لاء کے آمرانہ طرز حکومت کا بڑا کردار ہے۔ مارشل لاء حکام نے جمہوری عمل کو نہ صرف معطل کیا بلکہ اس کو مسخ بھی کیا۔ حکومتی اور فوجی خفیہ ایجنسیوں نے سیاسی عمل میں مداخلت کی۔ وہ پروردہ اور خریدے ہوئے سیاسی کارکنوں کے ذریعے سیاسی جماعتوں کی پالیسی اور دوسرے امور پر اثر انداز ہوئیں۔ متعدد سیاسی پارٹیوں کو اپنی لائن دی۔ ان ایجنسیوں نے سیاست میں کرپشن کا عنصر داخل کیا اور ذرائع ابلاغ میں اپنے پروردہ افراد داخل کیے۔ سرکاری ذرائع ابلاغ کے ذریعے جمہوریت کش پراپیگنڈا کیا اور ان گروہوں کی حوصلہ افزائی کی جو جمہوری نظریات میں کنفیوژن پھیلاتے رہے۔ آہستہ آہستہ ان ایجنسیوں کے پروردہ سیاسی کارکن ملک کے اعلیٰ سیاسی مقام حاصل کر گئے۔ چنانچہ یہ فطری نتیجہ ہے کہ آج جاہ پرست، خوشامدی اور کرپٹ لیڈر اقتدار کے کھیل میں نمایاں ہو گئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اگر مارشل لاء نہ لگتے تو جمہوری کلچر اس قدر مسخ نہ ہوتا جتنا آج ہے۔ مگر یہ سوال بھی غور طلب ہے کہ کیا مارشل لاء بغیر کسی وجہ کے آوارد ہوا؟ کیا پاکستان کے متعدد سیاسی اور فکری حلقے نظری کنفیوژن میں مبتلا نہ تھے؟ کیا ارباب اختیار میں صوبائی اختیارات اور قومی زبان کے مسئلے پر فکری یکسوئی پائی جاتی تھی؟ کیا وجہ تھی کہ ملک غلام محمد، چودھری محمد علی اور سکندر مرزا ملک کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے؟ کیا ہمارے کلچر میں مذہبی بنیاد پر فوج سے محبت کا جذبہ نہیں پایا جاتا؟ اس میں شک نہیں کہ فوج کی ہر ملک کو ضرورت ہوتی ہے اور ملک سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے مگر کم از کم پاکستان میں فوج سے محبت کا جذبہ سوا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں بعض حالات میں قتالی جہاد کی اجازت ہے اور پھر اسلامی تاریخ میں قتالی جہاد نے مسلمانوں کے دفاع اور ان کی طاقت بڑھانے میں اہم

15265

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کردار ادا کیا اور یوں مسلمانوں میں ہر اس قوت سے جو اسلحہ بند کارروائی کا ذریعہ بن سکتی ہے ایک گونہ جذباتی تعلق قائم ہو گیا۔ شاید یہ تعلق بھی ایک وجہ ہے کہ ہمارے یہاں فوجی حکام کی بالادستی کو بڑے عرصے تک عوامی حلقے میں مقبولیت حاصل رہی۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ مارشل لاء نہ لگتے تو بھی یہ بات غور کرنے والی ہوتی کہ جو کلچر موجود ہوتا (یعنی جو کلچر برصغیر کے مسلمانوں کو تاریخ سے ملا) اس میں سے کون کون سے اجزاء ایسے تھے جس سے ہمارے معاشرے میں جمہوریت کے قیام اور فروغ میں مدد مل سکتی تھی یا مستقبل میں مدد کا امکان ہے۔

میں نے زیر نظر مضمون اور پچھلے مضمون میں کچھ اجزاء کی نشاندہی کی ہے۔ میری رائے میں مسلم کلچر میں (انسان دوستی کے ساتھ ساتھ) غلبہ پانے اور بالادستی قائم کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے، جبکہ جمہوری نظام کی کلچرل اساس رواداری ہے۔ یہ صحیح ہے کہ غلبے کا رجحان آہستہ آہستہ بدلا جا سکتا ہے مگر اولین شرط اس مسئلے کے ادراک کی ہے تاکہ اس رجحان کی اصلاح کے لیے ذہنی تیاری کی جا سکے اور مناسب اقدامات کیے جا سکیں۔

میاں نواز شریف کی حکومت کی برخاستگی کے بعد پاکستان کے تقریباً سب سویلین حلقوں میں ایک بہتر اور اہم سوچ کی تبدیلی واقع ہوئی۔ اس تبدیلی کا تعلق فوجی حکام کی سیاست میں مداخلت سے ہے۔ وہ حلقے بھی جو روایتی طور پر فوج کے سیاسی ساتھی سمجھے جاتے تھے جنرل مشرف کے مارشل لاء کو جمہوری نظام کی ارتقاء میں حائل قرار دینے لگے۔ گویا اب ملک میں کوئی بھی بڑی سیاسی قوت موجود نہیں (سوائے برسراقتدار گروہ کے) جو جنرل مشرف کے یا اس سے پہلے کسی مارشل لاء کے نفاذ کو صحیح قرار دے۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ صرف مارشل لاء ہی کو جمہوریت کی راہ میں حائل قرار دیتے ہیں۔ میرے خیال میں مارشل لاء کے علاوہ دوسرے عناصر بھی جمہوری نظام کے فروغ میں حائل رہے ہیں۔ مثلاً 1958ء کے مارشل لاء سے پہلے بیوروکریسی کا سیاسی کردار کلیدی رہا۔ ہم نے دیکھا کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوروکریسی کا وہ حصہ جو برٹش انڈیا کی تقسیم کے وقت بھارت گیا، اس کا کردار وہ نہ تھا جو پاکستانی بیوروکریسی کا تھا۔ راقم کی رائے میں ہمارے یہاں کچھ دوسری دشواریاں بھی موجود تھیں۔ مثلاً ہمارے یہاں بڑی سیاسی جماعت کا کردار ویسا جمہوری نہ تھا جیسا کہ بھارت میں وہاں کی بڑی سیاسی جماعت کا تھا۔ عوامی مقبولیت حاصل کرنے کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ ہنگامی صورت حال سے دوچار ہوگئی اور جمہوری خطوط پر اس کی تربیت نہ ہوسکی۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ جب تحریک پاکستان کامیابی حاصل کرنے لگی تو مغربی پاکستان کا فیوڈل طبقہ اس میں شامل ہوگیا اور اس نے سیاسی طاقت حاصل کرلی۔ یہ طبقہ اس قابل نہ تھا کہ نئے ملک کے نظم و نسق کو قائم کرتا اور چلاسکتا۔ چنانچہ حکمران پارٹی کا انحصار بیوروکریسی پر قائم ہوگیا۔ اور یوں غیر سیاسی قوتوں کے لیے اقتدار پر قبضے کا راستہ ہموار ہوگیا۔ زیرنظر سطور میں تاریخی واقعات بیان کرنے کا موقع نہیں چنانچہ ہم اصل موضوع یعنی کلچر کی بحث کی طرف لوٹتے ہیں۔

کرپشن کے موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے عرض ہے کہ اسے کنٹرول کرنے کے لیے انتظامی ڈھانچے کو شفاف، سیاسی نظام کو جمہوری اور معاشی نظام کو منصفانہ ہونا چاہیے۔ ان شرائط کے بغیر قومی احتساب بیورو یا کوئی دوسرا سرکاری ادارہ اس سلسلے میں بڑا کردار ادا نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ ہم آگاہ ہیں کہ ہمارے معاشرے میں مروجہ کلچر کرپشن کا ہے۔ سرتاپا کرپٹ معاشرے میں قانون یا قانونی ادارہ کوئی بڑا کردار ادا نہیں کرسکتا بلکہ قانون نافذ کرنے والا ادارہ خود بھی معاشرے کے مروجہ کلچر کا رنگ اختیار کرلیتا ہے۔ قانون صرف ایسے معاشروں میں مفید کردار ادا کرتا ہے جو بنیادی طور پر صحت مند ہوں۔ غیر صحت مند معاشروں میں قانون صرف کمزور مجرموں کو سزا دے سکتا ہے۔ وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ بیمار معاشرے کو صحت مند بناسکے۔ موجودہ معاشرے کی تعمیر نو کے لیے صحت مند فکر اور توانا کلچر کے فروغ کی ضرورت ہے۔ یہ کام فوج یا حکومتی ادارہ ادا نہیں کرسکتا۔ ایسے کام کے لیے دوسرے اقدامات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے علاوہ ایسی فکری تحریک کی ضرورت ہوتی ہے جو شفاف اور منصفانہ نظام کے لیے سازگار فضا پیدا کرے۔ یہ فضا آج ناپید ہے۔ خیال رہے کہ جو کرپٹ معاشرہ اپنی سوچ اور کلچر کی اصلاح کے لیے فکری تحریک کی اہمیت تسلیم نہیں کرتا اور اس کی بجائے انتظامی اور قانونی اصلاحات کے ذریعے کام چلانا چاہتا ہے اس کا مستقبل کبھی روشن نہیں ہوسکتا۔

اب اس مسئلے پر غور کیا جائے گا کہ ہم پاکستان میں جمہوری کلچر کو کیسے فروغ دے سکتے ہیں۔ جمہوری کلچر لبرل کلچر کا حصہ ہوتا ہے۔ لبرل کلچر صرف اس معاشرے میں فروغ پاتا ہے جہاں معاشی جدیدیت کا عمل جاری ہو اور علم کی روشنی ہو۔ جس معاشرے میں بڑی زمینداریاں موجود ہوں، قبائلی نظام ہو، ناخواندگی ہو، متوسط طبقہ کمزور ہو، کرپشن کی دولت کا سیاست میں بھرپور اثر ورسوخ ہو، تعلیمی ادارے فکری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے سے منکر ہو جائیں، عوام آگے دیکھنے کی صلاحیت اور زندگی کی خوشیوں اور امنگوں سے عاری ہوں وہاں مذہبی تنگ نظری، ماضی پرستی اور آمریت کی برائیاں فطری طور پر موجود ہوا کرتی ہیں۔ ایسے معاشرے کے لیڈر مخدوم اور عوام خادم ہوتے ہیں۔ خادم یا غلام زندگی اور آزادی کی قدروقیمت سے آگاہ نہیں ہوتے۔ وہ زندگی سے لطف اندوز نہیں ہوتے بلکہ اسے بوجھ سمجھ کر بسر کرتے ہیں۔ جمہوری حقوق سے محرومی ان کے لیے اذیت کا باعث نہیں ہوتی۔ ایسے معاشرے میں سیاسی حقوق اور جمہوریت کی بحالی کے لیے جدوجہد خفیہ اشاروں یا بیرونی ملک کی مدد کے بغیر طاقت حاصل نہیں کرتی۔ ایسے ملکوں میں یہ بھی ضروری نہیں کہ سیاسی جدوجہد یا محاذ آرائی سے جمہوری نظام برآمد ہو۔ جمہوریت کی جڑیں درحقیقت لبرل معاشرے میں ہوتی ہیں جہاں فکر کی آزادی ہو، جدید سماجی علوم کو فروغ حاصل ہو، رواداری ہو، ماضی پرستی سے نجات مل چکی ہو اور عوام میں اپنا مستقبل سنوارنے اور خوشحالی کی لگن ہو۔ جب تک ہمارے یہاں یہ سب کچھ نہ ہو اور ہم چاہیں کہ جمہوریت آئین کی کتاب سے مل جائے تو ہم خود کو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دھوکے میں مبتلا رکھیں گے۔ ہم نے جمہوریت کی تلاش میں جب بھی بڑی ایجی ٹیشن برپا کی آئین نے جمہوریت نہیں دی، مسلح قوت نے مارشل لاء دے دیا۔

جمہوریت کے لیے لبرل کلچر کی ضرورت ہوتی ہے۔ لبرل معاشرہ جسم ہے اور ڈیموکریسی اس میں دوڑتا ہوا خون۔ زندگی کے لیے جسم اور خون دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر ہم صرف جمہوریت کی بات کرتے ہیں لبرل ماحول کی نہیں، حالانکہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اگر سیاسی قوتیں فوجی حکام کی بالادستی کے خلاف جدوجہد کے ساتھ ساتھ لبرل کلچر کے پروگرام کو آگے بڑھائیں تو جمہوریت کی منزل یقینی حاصل ہو جائے گی۔ ہم نے دقیانوسی کلچر برقرار رکھ کر جمہوریت کے لیے 57 سال جدوجہد کی مگر جمہوریت کی منزل دور سے دور ہوتی گئی۔ ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ لبرل سوسائٹی کی جانب پیش رفت سست رفتاری سے ہوا کرتی ہے۔ اگر ایک بار لبرل رجحانات فروغ پا جائیں تو جمہوریت کی منزل تیزی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ لبرل کلچر کی عدم موجودگی میں سیاسی پارٹیاں اس قابل نہ ہوں گی کہ فوج کو مجبور کر سکیں کہ وہ اپنی بالادستی سے مستقلاً دست بردار ہو جائے۔ آج کے دور میں جمہوریت کے لیے سیاسی پارٹیوں کی جدوجہد کے ساتھ عالمی میڈیا اور عالمی طاقتوں کا اثر ونفوذ بھی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ گلوبلائزیشن کے دور میں کوئی ملک ساورنٹی کے بہانے اپنے یہاں آمرانہ یا نیم آمرانہ نظام کا دفاع نہیں کر سکے گا۔ پاکستان میں عالمی دباؤ اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک ہماری سرزمین میں مسلح گروہ موجود ہیں جنہیں بڑی طاقتیں دہشت گرد قرار دیتی ہیں۔ دوسری جانب کئی حلقوں میں ان گروہوں کے لیے ہمدردی کے جذبات موجود ہیں۔ چنانچہ ان گروہوں کی مالی اور افرادی امداد میں کمی نہیں آئے گی۔ المختصر عالمی طاقتوں اور ''دہشت گرد'' گروہوں کے درمیان تنازع کچھ دیر جاری رہے گا، اس لیے پاکستان کے سیاسی نظام میں فوجی حکام کی بالادستی جلد ختم ہونے والی ہے۔ البتہ بالادستی میں اس صورت میں کچھ کمی آ سکتی ہے کہ برصغیر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ملکوں کے درمیان تعلقات بہتر ہو جائیں۔ اس طرح عوام کی سوچ کا انداز بدل جائے گا۔ ان کی توجہ بیرونی خطرے کی بجائے اندرونی مسائل کی طرف مڑ جائے گی۔ مگر بڑی کی تبھی آئے گی جب دنیا میں نجی مسلح گروہوں کی طاقت ٹوٹے گی اور امن، ترقی اور خوشحالی کی نئی عالم گیر فضا ہماری جمہوری جدوجہد کا ساتھ دے گی۔

پاکستان کے موجودہ کلچر میں تبدیلی کے لیے ہمیں تین طرفہ اقدامات پر خاص توجہ دینا ہوگی۔ پہلا، بدلتے سماجی، معاشی اور عالمی تقاضوں کے مطابق نصاب تعلیم کی اصلاح، دوسرا، جدید علوم وفنون کی تیز رفتار ترقی اور تیسرا، معاشی رشتوں کی تبدیلی۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قبائلی اور زرعی معاشرے سست رو ہوتے ہیں اور پیچھے کی طرف دیکھتے ہیں جبکہ سائنس اور سائنسی اندازِ فکر حرکت پسند ہوتے ہیں اور معاشرے کو آگے لے جاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا ہمارے قبائلی اور زرعی ماضی میں جمہوریت نہیں، البتہ اخلاقی اقدار کی حد تک انسان دوستی کی تعلیم ہے۔ سائنسی اندازِ فکر اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں انسان دوستی کی تعلیم کو بروئے کار لانے کی ضرورت ہے تاکہ اس پر جمہوری رجحانات کے لیے تکیہ کیا جائے۔ یوں بھی کلچر کوئی ایسی جامد شے نہیں کہ جس میں تبدیلی ناممکن ہو۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ سائنسی ترقی معاشرے میں جس رفتار سے تبدیلی پیدا کرتی ہے کلچر میں اس رفتار سے تبدیلی نہیں آیا کرتی۔ اگر ہم اتنے خوش قسمت ہوں کہ ہمارے ملک میں ترقیاتی عمل تیز رفتاری سے جاری ہو جائے تو ہمارا معاشرہ آگے کی جانب دیکھنا شروع کر دے گا۔ یہی بات (یعنی آگے دیکھنا) کلچر کی تبدیلی کا باعث بنے گی۔

یہ بات پھر بھی صحیح ہے کہ معاشرے اور کلچر کی ترقی کی رفتار میں کچھ فرق رہے گا اور اس خطرے کے پیش نظر کہ ''خانہ خالی را دیو می گیرد'' یہ کوشش کی جانی چاہیے کہ کلچر بھی تیزی سے آگے بڑھے۔ بعض شعبوں میں خالی جگہ کو دیو سے بچانا ممکن نہیں۔ مگر جمہوریت کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فضا سازگار بنانے کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی ہو سکتی ہے، جو کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں پاکستان جیسے نیم فیوڈل اور نیم قبائلی معاشرے میں زرعی اصلاحات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں اب تک جو زرعی اصلاحات ہوئیں وہ ریڈیکل نہ تھیں۔ ان کے نتیجے میں عوام میں تبدیلی کا احساس اور سماج میں تبدیلی کا اثر پیدا نہ ہوا۔ اس لیے ان اصلاحات کے بڑے نتائج بھی مرتب نہ ہوئے۔ کیا اب بڑے نتیجے پیدا کرنے کی اہل زرعی اصلاحات نافذ کی جا سکتی ہیں؟ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اکثر بڑے زمینداروں کی املاک ان کے کنبے کے ارکان میں منقسم ہو چکی ہیں اور وہ کارپوریٹ فارمنگ کا قانونی تحفظ اختیار کر رہے ہیں۔ یوں بھی سپریم کورٹ کے اسلامی قوانین کے بینچ نے ایک فیصلے کے ذریعے زرعی اراضی کی حد بندی کا راستہ مسدود کر دیا ہے۔ میری رائے میں مفاد پرست طبقات کے دورِ اقتدار میں زرعی املاک کی تحدید کے کسی قانون پر (اگر بالفرض نیا قانون بنے) کبھی صدق دل سے عمل درآمد نہ ہوگا۔ قانون بنانے والے اور اسے نافذ کرنے والے اپنے دائرہ کار میں سقم رکھ جاتے ہیں کہ بڑی املاک کے مالکوں کی طاقت کو زیادہ گزند نہ پہنچے۔

لینڈ ریفارم زرعی ملکیت کا ڈھانچا بدل کر دیہی سماج کے معاشی رشتوں میں تبدیلی پیدا کرنے کا براہ راست طریقہ ہے۔ تاہم معاشی رشتوں میں تبدیلی پیدا کرنے کا بالواسطہ طریقہ بھی موجود ہے یہ طریق کار تکنیکی ترقی کا ہے۔ اس آپشن پر کسی حد تک عمل جاری ہے۔

اب ہم سماج کے پورے ڈھانچے، معاشی اور غیر معاشی، میں تبدیلی پیدا کرنے والے اقدامات پر غور کریں گے۔ ایک اقدام، جس کا ذکر اوپر آیا، یہ ہے کہ معاشی ترقی کا عمل جاری ہو، تاکہ معاشی رشتوں میں تبدیلی آئے اور مڈل کلاس اور آزاد پیشے بڑھیں۔ بہتر ہے کہ معاشی عمل میں متوسط اور چھوٹے صنعتی و تجارتی اداروں پر خصوصی توجہ دی جائے اور ترقی کے ثمرات (صاف پانی، خوراک، تعلیم، علاج اور روزگار کے مواقع) پسماندہ طبقات تک

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہنچانے کا خصوصی اہتمام کیا جائے تاکہ ان میں زندگی کی امنگ جاگے۔ خوشحالی سے تبدیلی آیا کرتی ہے اور لوگ پیٹ کی بجائے دماغ سے سوچنے لگتے ہیں۔ دوسرا اہم قدم مقامی حکومت کو مؤثر بنانا ہے۔ ہمارے معاشرے کی مروجہ سماجی ساخت کی وجہ سے دونوں معاملات (معاشی انصاف مہیا کرنا اور مقامی حکومت کو عوام کا خدمت گار بنانا) آسان نہیں۔ ہمارے یہاں ریاستی اور سیاسی طاقت کی حامل کئی قوتیں ان اقدامات کی راہ میں مشکلات پیدا کریں گی۔ چنانچہ ضرورت ایسی جمہوری طاقت کی ہے جو ان مقاصد کے حصول کے لیے سنجیدہ ہو اور ریاستی طاقت کی حامل بن جائے۔ تیسرے قدم کے طور پر تعلیمی نظام میں ان خطوط پر اصلاح کی ضرورت ہے کہ طلباء میں سوچنے اور سوال اٹھانے کی صلاحیت پیدا ہو اور وہ تعلیم ڈگری حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ فکر کو جلا دینے کے لیے حاصل کریں۔ اگر ایک بار سوچنے اور معاملات خود طے کرنے کی صلاحیت اجاگر ہو جائے تو ترقی کی راہیں کھل جاتی ہیں اور ہر شعبہ زندگی میں تیزی سے پیش رفت شروع ہو جاتی ہے۔ چوتھا قدم یہ ہے کہ ہر چار سال کے بعد منصفانہ انتخابات منعقد کیے جائیں اور عوام کی ان میں شرکت کو آسان بنانے کے لیے سیاسی اور جمہوری اداروں کی اصلاح کی جائے۔ بصورت دیگر عوام کی جمہوری عمل سے عدم دلچسپی بڑھتی جائے گی۔ پانچواں قدم انتظامیہ کی شفافیت ہے۔ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے جس کی جانب ہم نے صرف ایک قدم اٹھایا۔ یعنی کرپشن کے محاسبہ کے ادارے قائم کیے۔ یہ اکیلا قدم ناکافی تو تھا ہی مگر نفاذ کے جھول کی وجہ سے اس کا کوئی بڑا سماجی اثر مرتب نہ ہوا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کبھی ہمارے ملک میں صورت حال کی اصلاح ہو گی۔ میرے خیال میں ایسا ممکن ہے۔ ضرورت ارادے کی ہے بشرطیکہ ارادے کے ساتھ سوچ اور کوشش سائنٹفک ہوں۔ (ارادہ جو سائنٹفک سوچ اور سائنٹفک عمل سے محروم ہو، بیکار بلکہ بسا اوقات تباہ کن ہوتا ہے) ہر سوسائٹی میں معاشرتی ترقی کی طرف پیش قدمی کے ابتدائی مراحل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مشکلات پیش آیا کرتی ہیں۔ درپیش مشکلات کے حل کے لیے چند تجاویز اوپر پیش کی گئیں۔ یہ تجاویز فوری نتیجہ خیز نہیں۔ مگر دوررس ہیں اور ہمیں فکری اعتبار سے اکیسویں صدی میں لا سکتی ہیں اور اس قابل بنا سکتی ہیں کہ ہماری سماجی ترقی کی رفتار تیز ہو جائے۔ افسوس کہ ہماری جمہوری اور معاشرتی ترقی کی راہ میں خفیہ ایجنسیاں بھی حائل ہیں۔ ترقی کی جانب پیش قدمی اسی صورت ممکن ہے کہ یہ ایجنسیاں سیاسی عمل میں مداخلت نہ کریں۔ اچھی خبر یہ ہے کہ ہمارے نجی ٹیلی ویژن اداروں کے کچھ پروگرام اور بعض قومی اخبارات آزادی فکر اور جمہوری قدروں کے فروغ کے لیے مفید کردار ادا کر رہے ہیں۔ جمہوریت کا امکان ان ہی کے دم قدم سے روشن ہے۔ مندرجہ بالا نکات پر عمل ہوا تو غالب امکان ہے کہ جمہوریت کا راستہ پیچ کھاتا ہوا ہمیں کامیابی کی منزل تک لے جائے۔

(مارچ 2004ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹیکس گریزی کے کلچرل پہلو

ہماری معیشت کے پیداواری، تجارتی اور خدماتی عمل میں مصروف تمام شعبوں کا صرف تیس (30) فیصد حصہ ٹیکس ادا کرتا ہے۔ٹیکس سے مراد سبھی ٹیکس ہیں۔ مثلاً انکم ٹیکس، امپورٹ ڈیوٹی، ایکسائز ڈیوٹی، سیلز ٹیکس وغیرہ معاشی عمل میں مصروف شعبوں کے اٹھارہ فیصد حصے کو حکومت نے ٹیکس سے مستثنیٰ کر رکھا ہے۔ (یہ اعداد و شمار ڈاکٹر اقدس علی کاظمی سے ماخوذ ہیں) طبقاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو ٹیکس سے استثنیٰ بالادست طبقات کو حاصل ہے یا پھر ٹیکس کی چھوٹ ایسے شعبوں کو دی گئی ہے جنہیں فروغ دینا مقصود ہے۔ پاکستان بالادست طبقے پر نچھاور کی جانے والی مراعات ختم کرنے والا نہیں تھا یہ آئی ایم ایف کا دباؤ تھا کہ ٹیکس کی کچھ مراعات ختم کی گئیں تاکہ ٹیکس کا دائرہ وسیع کیا جائے آئی ایم ایف کے دباؤ کے باوجود بھی اشرافیہ کی ریاست میں کئی بااثر طبقے مراعات سے مستفیض ہوتے رہیں گے۔ ہمارے یہاں معیشت کا باون فیصد حصہ کسی قسم کا ٹیکس ادا نہیں کرتا۔ (سمگلنگ، منشیات اور دوسرے غیر قانونی دھندے معیشت کا نو فیصد ہیں جو مذکورہ باون فیصد کے ذیلی شعبے ہیں) بلیک اکانومی کا حجم قانونی معیشت کی نسبت مستقلاً بڑھ رہا ہے جس نے پاکستان کے کرپٹ معاشرہ کو اشرافیہ کی جنت بنا دیا ہے جس میں ٹیکس نادہندہ تاجر، صنعت کار، کرپٹ سیاست دان اور غبن کرنے والی بیوروکریسی (خاکی اور واسکٹ پوش) مزے اڑا رہے ہیں۔

بیوروکریسی کا دیانت دار طبقہ بھی بلیک اکانومی سے کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کرتا ہے۔ مثلاً وہ سستے الاٹ شدہ پلاٹ نو دولتیوں کو اونچی قیمت پر بیچ کر لاکھوں کروڑوں کا مالک بن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتا ہے۔ بلیک اکانومی کی وجہ سے فائیو سٹار ہوٹل، اعلیٰ ریسٹورنٹ اور (سمگل شدہ اشیاء بیچنے والی) فیشن ایبل مارکیٹیں پرورش پا رہی ہیں بلیک اکانومی کے ماحول میں فروغ پانے والا ایک طبقہ زبردست سماجی اور سیاسی طاقت حاصل کر چکا ہے۔ میری یہ پختہ رائے ہے کہ صرف انتظامی امور کی اصلاح سے بہتر نتائج کی توقع عبث ہے۔ معاملہ محض نظم ونسق کی اصلاح کا نہیں بلکہ سماجی رویوں اور ان معاملات کی اصلاح کا بھی ہے جنہیں یہاں زیرِ غور لایا گیا ہے۔

یوں تو ٹیکس کا نظام صدیوں پرانا ہے لیکن جدید ٹیکس کا نظام کیپٹلزم کی ترقی کے ساتھ پروان چڑھا۔ ہمارے ملک میں کیپٹلزم پہلے نہیں آیا نہ ہی ٹیکس کا نظام کیپٹلزم کے ساتھ پروان چڑھا۔ ہمارے یہاں نیم فیوڈل اور قبائلی نظام صدیوں سے موجود ہے۔ اسی ماحول میں ٹیکس کا جدید نظام رائج ہوا۔ ہماری بیوروکریسی نے اپنے تئیں ٹیکس سسٹم کی کوکھ سے (ٹیکس مراعات کے ذریعے) کیپٹلزم پیدا کرنے کی کوشش کی۔ صنعت کاری کو فروغ دینے کے لیے ہمارے ماہرین نے ٹیکس ہالیڈے جاری کی۔ ٹیکس ہالیڈے کے دوران میں صنعت کار جتنا چاہے کمائے اس کی دولت میں قومی خزانے کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ ہمارے قومی خزانے نے سماجی ذمہ داری کا فریضہ مثلاً سکول کالج یا ہیلتھ کی ذمہ داری ادا کرنے سے گریز کیا ہے۔ نئے صنعتکاروں نے (ٹیکس ادائیگی کی ذمہ داری سے نجات حاصل کر کے) بے شمار دولت اکٹھی کی ماہرین نے تصور کیا کہ یہ دولت کیپٹلزم کو جنم دے گی مگر ایسا نہ ہوا۔ اکنامک منیجر یہ سمجھ نہ سکے کہ حکومت کی نوازشات کی پالیسی سے صرف دولت مرتکز ہوتی ہے، سرمایہ داری کا نظام پروان چڑھنا لازمی نہیں ہوتا۔

سرمایہ دارانہ نظام کی کامیابی کے لیے دولت کے علاوہ اور بہت کچھ درکار ہوتا ہے۔ مثلاً مقابلے کی فضا، تکنیکی ترقی اور خوشحال عوام وغیرہ مراعات کی پالیسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرکاری اہلکار بھی محنت کے بغیر حاصل ہونے والی دولت (ایزی منی مثلاً لائسنسوں، پرمٹوں، پلاٹوں اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرپشن کی دولت) میں شریک ہو گئے۔ تجارت پیشہ لوگ جنہیں ٹیکس ہالیڈے نہیں مل سکی ایزی منی کے متبادل راستے ڈھونڈنے لگے۔ آسان راستہ ٹیکس چھپانا تھا۔ بات یہیں نہیں رکی ایزی منی حاصل کرنے کا رویہ سمگلنگ اور منشیات کے ذریعے پوری قومی زندگی پر چھا گیا۔ اب جب پیسہ آ گیا تو اسے محفوظ کرنے کی ضرورت بھی محسوس ہوئی۔ جس طرح بڑا زمیندار یہ خطرہ محسوس کرتا ہے کہ کہیں عوامی قیادت برسر اقتدار آ کر زرعی اصلاحات نافذ نہ کر دے، اسی طرح ٹیکس چور نو دولتیوں نے بھی محاسبہ سے بچنے کے لیے سیاست کا سہارا لیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کوئی شخص اسمبلی کا ممبر بن جاتا ہے تو وہ محفوظ قلعے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اگر خائن اور ٹیکس چور سیاست دان بڑا لیڈر بن جائے تو معمول کے قوانین اور ادارے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کم از کم پاکستان میں صورت حال یہی ہے۔

مغرب میں سرمایہ داری نظام سے پہلے علم اور سائنس نے ترقی کی۔ اسی ترقی کے ساتھ سائنسی ایجادات ہوئیں اور کیپٹلزم کو فروغ ملا۔ ہمارے ہاں چونکہ علوم وفنون کو فروغ نہیں ہوا۔ یہاں سائنسی ایجادات کی فطری طلب ہی محسوس نہ ہوئی۔ صنعتی مشینیں مغربی ممالک سے حاصل کر لی گئیں۔ یوں صنعتی عمل سائنس کے فروغ کے بغیر ہی چل نکلا۔ علم وفکر کی ترقی نہ ہونے سے یہاں ذہن اور رویوں میں روشن خیالی نہ آ سکی بلکہ اس کے برعکس یہاں رائج نظریاتی پس منظر میں روایتی مذہبی پرستی نے عروج پانا شروع کیا۔ خیال رہے کہ معاشی عمل میں صنعتی اور تجارتی اداروں کے مالکوں ہی کا نہیں بلکہ مزدوروں، مینیجروں، مشیروں، حساب دانوں، قانون دانوں، آڈیٹروں، ذرائع ابلاغ، ٹرانسپورٹروں، بنکروں، صارفین گویا متعدد سماجی طبقات کا بھی اہم کردار ہوتا ہے۔

ہمارے یہاں رائج مذہبی افکار کے مطابق دولت اللہ کی مرضی سے ملتی ہے۔ افسوس بعض اوقات جائز اور ناجائز دولت کی تمیز کو بھی روا نہیں رکھا جاتا۔ (یہ بات روشن خیال تعبیر کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رو سے صحیح نہیں) عام طور پر اسلام کے مقبول تصور میں دولت کی پیداوار اور تقسیم کے معاملے میں سماجی کردار کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ہمارے یہاں بہت سے لوگ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگر کروڑوں کی تعداد میں مال خریدنے والے موجود نہ ہوں تو چند ہزار صنعت کار اور تاجر کبھی بڑی دولت اکٹھی نہیں کر سکتے۔ صنعت کاروں اور تاجروں کی تجوریوں میں دولت محنت کشوں اور صارفین کی جیبوں سے منتقل ہوتی ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ ٹیکس کا نفاذ ایک بڑا ذریعہ ہے جس سے عوام کو اس دولت میں شریک کیا جاتا ہے جو انہوں نے پیدا کی۔ یہ شرکت براہ راست نہیں بالواسطہ ہوا کرتی ہے مثلاً سکول، ہسپتال، پبلک ٹرانسپورٹ، قانون کا نظم ونسق وغیرہ کا اہتمام۔ یہ سب خدمات ٹیکسوں کے ذریعے وجود میں آتی ہیں۔

افسوس کہ کم علمی کی بناء پر بہت سے ٹیکس گزار ٹیکس ادا کرنا ضروری تصور نہیں کرتے۔ یقیناً انہیں معلوم نہیں کہ اللہ تجارت سے جو دولت دیتا ہے ساتھ یہ بھی تلقین اور مطالبہ کرتا ہے کہ رزق حلال کماؤ، منافع خوری نہ کرو، ذخیرہ اندوزی نہ کرو، ملاوٹ نہ کرو، منشیات کا دھندا نہ کرو۔ ہمارے دولت مند افراد کے پاس جتنی دولت ہے، اس کا کتنا حصہ ان معیارات پر پورا اترتا ہے؟ ہمارے مذہبی حلقے یہ بات بھولے ہوئے ہیں کہ اسلام کی رو سے ریاست کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ حرام دولت کو ضبط کر لے۔ مقصد اس بحث کا یہ واضح کرنا ہے کہ دولت پیدا کرنے کے عمل میں سماجی ذمہ داری کے احساس کو رہنمائی کرنی چاہیے۔ جدید دور میں ذمہ داری کا اظہار ٹیکس ادائیگی سے ہوتا ہے تاکہ قومی خزانہ کے پاس اتنے مالی وسائل ہوں کہ وہ سماج کے پسماندہ طبقات کی دیکھ بھال کے قابل ہو سکے۔ ہمارے یہاں ٹیکس چوری کی وجہ سے یہ کام ممکن نہیں رہا۔

1972ء کے قومیانے کے عمل نے ایزی منی کے رجحان کو آگے بڑھایا کیونکہ صنعت کار اور مالی ادارے حکومت کے (بظاہر انقلابی) حکم ناموں کے ذریعے اپنی بہت سی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دولت سے محروم ہو گئے۔ خیال رہے کہ بڑے صنعت کار دولت کمانے کا ہنر سیکھ چکے تھے۔ انہوں نے دولت کمانے کے نئے طریقے اختیار کیے۔ مثلاً تجارت، زرعی اشیاء کی برآمد، چھوٹی صنعتوں کی مصنوعات کی ایکسپورٹ وغیرہ، ان ذرائع سے حاصل کی گئی دولت نئی صنعتوں کی تنصیب کی صورت میں ظاہر نہ ہوئی۔ قالینوں کی برآمد سے کمائی گئی دولت قالین کے نیچے چھپائی گئی۔ یوں قومیانے کے عمل نے ٹیکس چوری کے رجحان کو تقویت دی۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ کئی دوسرے ملکوں نے بھی ٹیکس ہالیڈے کی رعایت سے صنعت کاری کے عمل کو آگے بڑھایا، لیکن ایک سطح پر پہنچ کر انہوں نے رعایت بتدریج کم کر کے مسابقت کا ماحول پیدا کیا۔ اسی ماحول میں انہیں ٹیکنالوجی کی ترقی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس ماحول میں کوالٹی بہتر اور لاگت میں کمی واقع ہوئی۔ مگر ہمارے یہاں قومیانے کی وجہ سے یہ سب کچھ نہ ہوا بلکہ سرخ فیتے کی کارروائی معاشی اداروں میں رائج ہو گئی۔ سرکار کے ملکیتی صنعتی اداروں اور بینکوں کی انتظامیہ میں نااہلی اور لاپرواہی آئی اور بالآخر کرپشن رائج ہو گئی۔ سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ بڑی صنعتوں کی نجی شعبوں میں تنصیب رک گئی۔ البتہ چھوٹے چھوٹے یونٹ قائم ہوئے۔ ان یونٹوں کے مالکوں کو حساب کتاب رکھنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ تمام معاملات سینے میں محفوظ رہ جاتے ہیں۔ تاجر اور چھوٹے صنعت کار جدید خطوط پر ڈاکومنٹیشن کے چکر میں نہیں پڑتے۔

بعض اوقات تاجر رہنماؤں کی طرف سے ٹیکس ادا کرنے میں کوتاہی کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حکومت اپنے انتظامی اور سماجی فرائض کی ادائیگی میں ناکام ہو چکی ہے۔ مثلاً وہ تاجروں کو تحفظ فراہم نہیں کرتی، امن وامان کی صورت حال بڑی خراب ہے، حکومت کی طرف سے ٹیکس گزاروں کو وہ سہولتیں مہیا نہیں کی جاتیں جو اچھی حکومت ادا کرنے کی پابند ہے۔ مثلاً اچھی سڑکیں، علاج کی سہولتیں وغیرہ وغیرہ۔ ان کے خیال میں یہ شکایات ٹیکس ادائیگی سے فرار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا جواز فراہم کرتی ہیں۔

یہ شکایات بظاہر بجا ہیں مگر جب غور سے سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ تاجر طبقے نے فوجی آمروں کی حمایت اور کرپٹ سیاستدانوں کی مدد کر کے ان شکایات کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کیا۔ انہیں اپنی غلطی تسلیم کرنی چاہیے۔ ہمارے تاجر جتنا جلد تسلیم کر لیں بہتر ہوگا کہ جمہوری، شفاف اور موثر حکومت کے ذریعہ ہی یہ شکایات دور ہو سکتی ہیں۔ بہرصورت مذکورہ شکایات اس ضرورت کو مزید اجاگر کرتی ہیں کہ تاجر ٹیکس ادا کریں تاکہ حکومت میں اتنی مالی استطاعت پیدا ہو کہ وہ نظم و نسق اور ویلفیئر کے اقدامات کرنے کے قابل ہو سکے۔ شاید انہیں معلوم نہیں کہ ٹیکس ادائیگی کی ذمہ داری سے گریز اختیار کرنے سے صورت حال میں خرابی بڑھے گی۔

مذکورہ بالا نوعیت کے اعتراضات عام طور پر ایک بہانہ ہیں۔ فی الواقع ٹیکس ادا کرنے کا کلچر ہمارے یہاں پروان ہی نہیں چڑھا۔ بالخصوص جنرل ضیاء الحق کے دور میں ٹیکس وصولی پر اصرار نہیں کیا گیا۔ فوجی حکومت ٹیکس وصولی پر اصرار کر کے تاجر طبقے کو ناخوش نہیں کرنا چاہتی تھی جو حکومت کی پالیسیوں کی تائید کر رہے تھے۔

کم از کم اب تک پاکستان میں ٹیکس نظام چلانے والے ادارے یعنی سنٹرل بورڈ آف ریونیو کے ہاتھ لمبے نہیں۔ ہماری سی بی آر وفاقی فنانس منسٹری کے تحت ہے۔ ایسا شاید ہر ملک میں ہوتا ہے مگر ہمارے ملک میں وفاقی حکومت کے سیاسی مفادات سی بی آر کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔ جب بھی سی بی آر نے کسی بااثر سمگلر یا ٹیکس چھپانے والے افراد کے خلاف کارروائی شروع کی تو حکومت نے خطرہ محسوس کیا کہ ناجائز دولت کا حامل بااثر طبقہ حکومت کے لیے سیاسی خطرہ پیدا کر دے گا۔ اس طبقے کا سیاسی، مذہبی اور سماجی حلقوں میں بڑا اثر ہوتا ہے جو عدم استحکام کا ماحول پیدا کر سکتے ہیں۔ ایک عرصہ سے یہ طبقہ بڑے سماجی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاسی اثر ورسوخ کا مالک رہا ہے۔کوئی حکومت اس کی ناراضی کا خطرہ مول نہیں لے سکی۔فوجی حکومت بھی اکنامک سروے کی قومی مہم ادھورا چھوڑنے پر مجبور ہوگئی۔

مزید برآں ہمارے یہاں کوئی حکومت اس قوت ارادی کی مالک نہ تھی کہ زرعی آمدنی پر کسی نوعیت کا قابل ذکر ٹیکس عائد کرتی۔گزشتہ چند سالوں میں آئی ایم ایف نے زرعی آمدن پر ٹیکس عائد کرنے پر اصرار کیا ہے۔ہم نے دیکھا کہ بڑے زمینداروں نے چھوٹے زمینداروں کے مفادات کی دہائی دے کر انہیں ڈھال کے طور پر استعمال کیا۔چنانچہ زرعی آمدن پر صوبوں نے جو ٹیکس نافذ کیا اس کی شرح صنعتی اور تجارتی آمدن پر عائد وفاقی ٹیکس سے بہت کم ہے۔

کرپشن کے کلچر اور مفاد پرست طبقات کی طاقت نے ٹیکس پالیسی کی غلط ترتیب کے ذریعے صنعتی معیشت کو تباہ کن صورت حال سے دوچار کر رکھا ہے۔جیسا کہ ہم آگاہ ہیں امپورٹروں اور ٹیکس والے تاجروں کی مضبوط لابی ہمیشہ سے موجود رہی ہے۔یہ لابی امپورٹ ڈیوٹی،سیلز ٹیکس اور ایکسائز ڈیوٹی کی ایسی مجموعی سکیم منظور کروالیتی ہے جس کی وجہ سے دیانت دار صنعت کار اس قابل نہیں رہتا کہ درآمدی اشیاء کی مسابقت کر سکے۔چنانچہ صحت مند معیشت اور قومی صنعت کی قیمت پر امپورٹرز اور غیر ملکی اشیاء کے سمگلر پھل پھول رہے ہیں۔یہ ایسی بات نہیں کہ جس سے سی بی آر بے خبر ہو مگر فی الحال سی بی آر کا اولین اور فوری مسئلہ ٹیکس وصولی میں اضافہ ہے۔ہر کرپٹ اور انتظامی طور پر کمزور معاشرے کی طرح ہماری سی بی آر بھی اس صلاحیت کی مالک نہیں کہ وہ اندرون ملک صنعتی اور تجارتی اداروں سے پورا سیلز ٹیکس،ایکسائز ڈیوٹی اور انکم ٹیکس وصول کرے۔چنانچہ اس نے ٹیکس وصولی کا آسان طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔یہ کہ درآمدی اشیاء پر امپورٹ کے مرحلے پر امپورٹ ڈیوٹی کے ہمراہ سیلز ٹیکس اور انکم ٹیکس بھی وصول کرے۔اس صورت میں اسے آسانی سے شاید زیادہ ٹیکس مل جاتا ہے۔اصولاً دیکھا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے تو سیلز ٹیکس اور انکم ٹیکس کے نفاذ اور وصولی کے قواعد میں بہت سے سقم ہیں جن کی تفصیل یہاں زیر غور نہیں۔ البتہ زیر بحث موضوع کے اعتبار سے اتنا ذکر لازمی ہے کہ قابل اعتراض قواعد کے نتیجے میں دیانت دار اب امپورٹروں، سمگلروں، ٹیکس چھپانے اور بجلی چرانے والے صنعت کاروں کے ہاتھوں پٹ چکا ہے اور متعدد صنعتی ادارے ناکام ہو چکے ہیں۔ یہ کام چین کی مصنوعات کی ہمارے ملک میں تشریف آوری سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔

اب ہم شہروں میں رہنے والے تجارت پیشہ افراد پر عائد وفاقی ٹیکس کے مسئلے پر غور کرتے ہیں۔ لاکھوں نہیں تو کئی ہزار ایسے تاجر موجود ہیں، جن سے بڑی رقم بطور ٹیکس وصول ہو سکتی ہے مگر ہو نہیں رہی۔ اس سلسلے میں حکومت نے جب بھی کوئی قانون بنایا یا سکیم جاری کی تو بازار کی طرف سے شٹر ڈاون کی دھمکی آئی۔ حکومت صرف اس لیے شٹر ڈاؤن سے خوفزدہ ہو گئی کہ حزب اختلاف تاجروں کی پشت پناہی پر آ گئی۔ اس سے حکومت کی ٹانگیں کپکپانے لگتی ہیں۔

مجھے مستقبل قریب میں ایسی کوئی توقع نہیں کہ تاجر پیشہ طبقے میں روشن خیالی پیدا ہو گی۔ ان پر یقیناً سختی کرنا پڑے گی۔ مگر حکومت کے پاس سیاسی عزم اجاگر ہوتا نظر نہیں آتا کہ وہ سی بی آر کو سخت اقدام کی اجازت دے گی۔ میری رائے میں اس طبقے سے ٹیکس وصولی کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ملک کی تمام بڑی سیاسی قوتوں میں ٹیکس وصولی کے سلسلے میں اتفاق رائے پیدا ہو تا کہ سی بی آر کی جانب سے سختی کے دوران حزب اختلاف بھی حکومت کا ساتھ دے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے اہم سیاسی رہنماؤں میں درکار روشن خیالی اجاگر ہو سکتی ہے؟ راقم کی رائے میں قومی خزانہ کے سدھرنے کے امکانات اسی وقت نمایاں ہوں گے جب بااثر سیاست دانوں میں ٹیکس کی ادائیگی کے بارے میں اتفاق رائے پیدا ہوگا۔ جب تک تاجروں میں روشن خیالی یا بصورت دیگر موثر سیاسی جماعتوں میں ٹیکس وصولی کے بارے میں اتفاق رائے نہیں ہوگا پاکستان کے غربت زدہ طبقات تنگ دستی اور مالی مشکلات سے دوچار رہیں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہماری مشکل یہ ہے کہ 1977ء کے بعد پاکستانی حکومت کا کوئی سربراہ ایسا نہ تھا جس نے پورا ٹیکس ادا کرنے کی ذمہ داری ادا کی ہو۔ جنرل ضیاء الحق نے سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد تادم مرگ کبھی انکم ٹیکس کی ریٹرن داخل نہیں کی حالانکہ ان کا ذریعہ آمدن تنخواہ کے علاوہ ایک دوسرا بھی تھا۔ ان کی وفات کے بعد جو دو افراد باری باری وزیراعظم بنے ان کی مالی دیانت پر ملک کے صدر الزامات عائد کرتے رہے۔ سوال یہ ہے کہ جب حکومت کے سربراہ کرپشن میں مبتلا ہوں تو سرکاری حکام کی کرپشن اور معاشرے میں بدعنوانی کو کون روکے گا۔ اس کے برعکس پڑوسی ملک بھارت کے کسی وزیراعظم نے ٹیکس چھپا کر اپنے شہریوں کو ٹیکس چوری کی ترغیب پیش نہیں کی۔ بھارت کی وفاقی حکومت کے سیاسی عزم میں کبھی اس قدر جھول یا کمزوری واقع نہیں ہوئی کہ ٹیکس چھپانے والوں کے خلاف ٹیکس حکام کا ہاتھ روک دے۔ بھارت کے کئی نامور افراد اور قومی ہیرو ٹیکس افسران کی گرفت میں آئے۔ وہاں عام طور پر سیاسی حکمران نے انہیں قانون کی گرفت سے آزاد نہیں کروایا۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت میں ٹیکس وصولیوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ بھارت کے دانشور اور اخبار نویس قومی معاملات میں ذمہ داری کا کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ عام طور پر معاشی مسائل پر اونچی علمی سطح سے اور قومی مفاد کی روشنی میں غور وخوض کرتے ہیں۔ پاکستان میں دانشوروں اور اخبار نویسوں نے اس بارے میں ضرورت کے مطابق اپنا کردار ادا نہیں کیا۔

جب ٹیکس صحیح وصول نہ ہو تو کرنسی نوٹ چھاپ کر یا قرضے اٹھا کر معیشت اور حکومت کا نظم ونسق چلانا پڑتا ہے۔ ہمارے یہاں بڑے عرصہ سے ٹیکس ریونیو سے ترقیاتی کاموں کے لیے وسائل میسر نہیں آتے۔ یہ کام قرضے اٹھا کر کیا جاتا رہا۔ قرضے بڑھنے سے قومی مالیات پر مصارف قرض کا بوجھ بڑھ گیا۔ بوجھ کم رکھنے کے لیے ترقیاتی پروگرام محدود رکھا گیا۔ وسائل کی کمی کی وجہ سے تعلیم، صحت اور دوسرے سماجی مقاصد پس پشت جا پڑے۔ نتیجۃً معیشت کا سوشل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈھانچا اور فزیکل انفراسٹرکچر کمزور ہونے لگا۔ یہ کمزوری پیداواری ڈھانچے پر اثر انداز ہوئی۔ ظاہر ہے کہ جب پیداواری ڈھانچا کمزور ہو گیا تو ٹیکس کی وصولی میں مزید کمی واقع ہوئی۔ معیشت پر قرضوں کا انحصار مزید بڑھا، قرضے بڑھنے سے مصارف قرض میں اضافہ ہوا یوں نئے قرضے مصارف قرض میں اور مصارف قرض قرضے کی مقدار میں اضافہ کرتے چلے گئے۔

مالیات کی تباہی کا یہ عمل قرضوں کا چکر کہلاتا ہے۔ گزری دہائی میں ہماری معیشت اس چکر میں پھنس چکی تھی۔ خیال رہے کہ مالی نظام کی کمزوری ریاست کی طاقت کو بھی کمزور کرتی ہے اور ریاست امن وامان اور عدل وانصاف کے شعبوں پر اتنے اخراجات نہیں کر سکتی، جتنے ریاست کی طاقت کو مضبوط بنانے کے لیے درکار ہوتے ہیں۔ اس صورت حال میں سرمایہ دار افراد اور ادارے مختلف نوعیت کے خطرات محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ایک طرف انہیں جان و مال کا خطرہ محسوس ہوتا ہے اور دوسری جانب یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں ملک کی مالیات کا دیوالیہ نہ نکل جائے۔ اس طرح سرمایہ دار خود اور ان کے ساتھ ان کا سرمایہ بیرون ملک منتقل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ملک میں سرمایہ کاری کی رفتار میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ سرمایہ کاری کی کمی سے پیداواری ڈھانچے میں مزید کمزوری واقع ہوتی ہے اور نتیجۃً روزگار کے مواقع پیدا نہیں ہوتے۔ بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی وجہ سے غربت میں اضافہ ہوا اور امن وامان کی حالت بھی خراب ہوتی گئی۔

یہ مسائل پوری طرح روایتی دین دار طبقے کی فہم اور ادراک میں نہیں آتے اور عصری عوامل سے ناواقف ہونے کی بناء پر وہ انہیں روایتی انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ عبادات میں کوتاہی کے باعث اللہ کا عذاب آ گیا ہے۔ کاش وہ ٹیکس ادائیگی کو دینی ذمہ داری کا حصہ سمجھتے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے یہاں ٹیکس ادائیگی کو حقوق العباد (سماجی ذمہ داری) کا حصہ تصور نہیں کیا جاتا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ مذہبی نظریات معاشی اعمال پر کس حد تک اثر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انداز ہوتے ہیں، البتہ یہ بات صحیح نہیں کہ مذہبی افکار ان اعمال پر بالکل اثر انداز نہیں ہوتے۔

پاکستان کے حکمران گروہ نے ڈائریکٹ ٹیکسوں کا نظام غیر منصفانہ اور غیر شفاف بنایا۔ اس طرح ٹیکس چوری کے رجحان کو تیزی ملی۔ ایک مثال درج ذیل ہے۔ 1986ء تک صوبائی حکومتیں غیر منقولہ جائیدادوں کی فروخت سے حاصل شدہ منافع پر کیپیٹل گین ٹیکس وصول کرتی تھیں۔ اس قانون کو منسوخ کرنے میں حکومت پنجاب نے پہل کی جس نے یہ قانون 1986ء میں منسوخ کیا۔ انہی ایام میں چند دولت مند افراد نے بڑے بڑے شہروں کے قریب واقع بڑے قطعات زمین خرید کو چھوٹے چھوٹے پلاٹوں میں تقسیم کر کے بیچنے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ بڑی بڑی رہائشی سکیمیں بھی قائم ہو رہی تھیں۔ رہائشی پلاٹوں کی طلب اور قیمت میں اضافہ ہو گیا۔ صنعتی سرمایہ کاری میں دلچسپی نہ پائی جاتی تھی۔ چھپا ہوا سرمایہ رہائشی پلاٹوں کی سٹے بازی کی جانب راغب ہو گیا۔ حکمرانوں نے غیر منقولہ جائیداد کی فروخت کے سلسلے میں انکم ٹیکس حکام سے سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی پیشگی شرط بھی ختم کر دی۔ یوں سٹے بازی کے کاروبار کو آسانی مل گئی۔ کیپیٹل گین ٹیکس کی منسوخی سے جو نقصان ہوا حکومت نے سٹیمپ ڈیوٹی کی شرح بڑھا کر پورا کیا۔ نتیجۃً قطعہ اراضی مکان بنانے کے لیے خریدنے والوں پر سٹیمپ ڈیوٹی کا بوجھ بڑھ گیا۔ زمینوں کی سٹے بازی کی دولت سٹاک ایکسچینج میں سٹے بازی کے لیے استعمال ہوئی۔ چنانچہ سٹے بازی کے رویے نے پسماندہ طبقات میں محرومی کا احساس بڑھا دیا۔ وہ ترسنے لگے کہ کاش ان کے پاس بھی ناجائز دولت ہوتی جسے وہ سٹے بازی سے دس بیس گنا کر سکتے۔

ایک ذمہ دار معاشرے کو سٹے بازی کو روکنے کی تدبیر کرنی چاہیے۔ اس جانب 2003ء تک کوئی بڑا قدم نہیں اٹھایا گیا۔ 2001ء میں ویلتھ ٹیکس ایکٹ بھی منسوخ کر دیا گیا تھا۔ بھارت بھی آزاد معیشت پر عمل کر رہا ہے مگر اس نے ویلتھ ٹیکس ان اثاثوں پر لاگو کر رکھا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جو غیر پیداواری ہیں۔ مثلاً اگر کوئی قطعہ زمین بے کار پڑی ہے یا عمارت جو تین سو دن تک کرائے پر نہیں اٹھائی جاتی تو اس کی مارکیٹ ویلیو پر دو فیصد کے حساب سے ویلتھ ٹیکس عائد ہوتا ہے اور غیر منقولہ جائیداد کی فروخت سے حاصل شدہ کیپٹل گین پر 10 فیصد کے حساب سے مرکزی کیپٹل گین ٹیکس بھی وصول کیا جاتا ہے۔ جاپان میں قطعہ زمین جو کرائے پر نہ اٹھایا جائے اس کے مفروضہ کرائے پر انکم ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ وہاں غیر منقولہ جائیداد کے کرائے کی آمدن پر مجموعی ٹیکس کی شرح 80% ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ سرمائے کا رخ پیداواری عمل کی طرف موڑا جائے۔ اس کے برعکس ہمارے یہاں، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، سٹے بازی کے فروغ کے لیے قانونی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ ایسے ماحول میں ہماری سوسائٹی میں ٹیکس کلچر کیوں کر اجاگر ہو سکتا ہے؟

میں ٹیکس سے گریز اختیار کرنے والے شہریوں اور ٹیکس وصولی میں کوتاہی برتنے والے حکام پر یہ الزام عائد کرتا ہوں کہ ان کی غلط پالیسی کی وجہ سے غربت کی سطح بڑھی ہے۔ حکومت ٹیکس سے واقع ہونے والی مالی کمی کو صرف قرضوں سے پورا نہیں کرتی بلکہ وہ خسارے کی سرمایہ کاری یعنی کرنسی نوٹ چھاپنے کی شکل میں بھی کرتی ہے۔ اس کے نتیجے میں افراط زر پیدا ہوتا ہے اور دولت نتیجۃً غریب طبقات کی جانب سے امیر طبقات کی طرف منتقل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ قومی مالیات کا بحران دور کرنے کے لیے حکومت سیلز ٹیکس کی شرح اونچی رکھتی ہے، اس سے قیمتوں کی شرح بلند ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں حکومت پٹرول، ڈیزل، گیس، بجلی کے چارجز کو بھی بڑھاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں بھی قیمتوں کی سطح بلند ہونے لگتی ہیں۔ اس کا مجموعی نتیجہ کئی اعتبار سے نقصان دہ ہوتا ہے۔ شہریوں کی بھاری اکثریت کی قوت خرید میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اندرون ملک اشیاء کی طلب کم ہونے لگتی ہے۔ نتیجۃً پیداوار میں کمی واقع ہوتی ہے، قیمتوں کی سطح بلند ہونے سے صنعتی پیداوار کی لاگت میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور ہمارے ملک کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصنوعات بین الاقوامی منڈی میں مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہتیں۔

ہمارے ملک میں بعض اوقات سیاسی کارکن اور دانشور ایسے سرمایہ کاروں کے مداح بن جاتے ہیں، جنہوں نے ٹیکس سے چھپائی ہوئی آمدن سے نئی صنعتیں لگائی ہوتی ہیں یہ سوچ اور رویہ سراسر کم علمی پر قائم ہوتا ہے۔ وہ یقیناً ٹیکس چوری کے پھیلاؤ کے اثرات اور بلیک اکانومی کے فروغ کے نتائج سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے۔ اپنے دانشور دوستوں کی خدمت میں اس عرض داشت کے ساتھ یہ مضمون ختم کرتا ہوں کہ ہم جس معاشی اور سماجی کیفیت سے گزر رہے ہیں اس میں ضرورت ایسے سماجی سیاستدانوں کی ہے جو اپنے کردار اور پالیسی کے ذریعے قومی رویوں میں مثبت تبدیلی پیدا کریں اور سماجی تبدیلی کا مناسب ماحول پیدا کرنے کے لیے قوم کی رہنمائی کریں تاکہ ملک معاشرتی ترقی کی جانب رواں ہو سکے۔

(جون 2003ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہی نظریات کے ذریعے دوبارہ کبھی ترقی نہیں کرسکتی، ہم سوسائٹی کو ماضی کے احترام میں نظام کی سختیوں کے ساتھ جتنا جکڑتے جائیں گے اتنا ہی اسلام کی روح سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔'' اسی مضمون میں آپ نے تجویز پیش کی کہ ''اسلام کی اس نئی زندگی کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ ہم ایک آزاد ذہن کے ساتھ مغربی افکار کا جائزہ لیں اور یہ جائزہ لیں کہ جن نتائج پر مغرب پہنچا ہے وہ ہماری فکر اسلامی کی تشکیل جدید میں کتنی معاونت کرسکتے ہیں۔'' علامہ اقبال کی جانب سے مغربی افکار سے استفادہ کرنے کی تجویز کا موجب ان کا یہ نظریہ ہے کہ ''مغربی تہذیب اپنے شعوری پہلو سے اسلامی تہذیب ہی کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے۔'' وہ مغربی تہذیبوں کی صحیح باطنی رسائی کے حامی تھے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ''جن صدیوں میں ہم سوئے رہے یورپ تب بڑے اہم مسائل پر غور کرتا رہا اور یہ مسائل وہی تھے جن میں اس سے پہلے اسلام کے سائنس دان اور فلسفی بڑی دلچسپی لیتے رہے۔''

اسلام کے مشہور سائنس دان اور فلسفی جن کا لٹریچر اور فکر یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں مددگار بنا۔ ہمارے یہاں انہیں بدعتی کہہ کر اذیتیں دی گئیں۔ الکندی، ابن سینا، عمر خیام، ابن الہیثم، ابن رشد اور ابن خلدون سبھی روایت پرست علماء، فقیہوں اور حکمرانوں کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوئے۔ انہی بدعتوں کی وجہ سے مسلمانوں نے دنیا کو ایک نیا تمدن دیا جو صدیوں تک پھلتا پھولتا رہا اور بالآخر اسی تمدن نے مغربی تہذیب کی بنیادی آبیاری کی۔

ہر تہذیب کی طرح مغربی تہذیب کے اچھے اور برے دونوں پہلو ہیں۔ اس تہذیب کی ایک گھناؤنی شکل معاشی مفادات کے لیے خونین جنگوں کی شکل میں ظاہر ہوئی، جن میں لاکھوں انسان لقمۂ اجل بنے۔ مغربی تہذیب امپیریلزم کی شکل اختیار کر گئی جس نے غیر یورپی اقوام کو اپنی کالونیاں بنا لیا۔ جب علامہ اقبال نے مغربی تہذیب پر تنقید کی تو وہ امپیریلزم، معاشی استحصال اور جنسی بے راہروی کی طرف اشارے کر رہے تھے۔ مگر وہ مغربی تہذیب کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثبت پہلوؤں یعنی جدید علوم اور سائنس، نئی تحقیقات اور ایجادات، محنت اور سچائی کی خصوصیات کے قائل تھے۔

ہم نے دیکھا کہ بہت سے روایت پرست افراد علامہ اقبال کی شاعری کو اپنے روایتی موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ جبکہ ضرورت یہ ہے کہ علامہ اقبال کے شعروں کو ان کے ان نظریات کی روشنی میں سمجھا جائے جو انہوں نے نثری مضامین میں پیش کیے۔ علامہ اقبال نے جبر و قدر کے مسئلے، خدا کے تصور، دین کی تکمیل اور ختم نبوت کے معاملات میں جو افکار پیش کیے، خودی کا جو تصور پیش کیا وہ ان نظریات سے مختلف ہے جو جدید فلسفے سے عاری مذہبی علماء پیش کرتے ہیں۔ یقیناً سر سید احمد خان اور علامہ اقبال کو اسلامی افکار میں راہنمایانہ کردار ادا کرنے کا موقع ملا ہے۔ ان کی فضیلت کے اقرار کے ساتھ یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ان کے تمام نظری اجتہادات صنعتی دور کے علوم اور فلسفہ کی روشنی میں قائم ہوئے جبکہ آج اکیسویں صدی میں دنیا جس ہائی ٹیک یا انفرمیشن دور میں داخل ہو چکی ہے اس کے نئے نئے تقاضے پیدا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ان کے نظریات بھی نئے تقاضوں (مثلاً عالمی تہذیب، عالمی معیشت اور عالمی گاؤں کے مسائل) کا احاطہ نہیں کرتے۔

1973 کا آئین:

کچھ دیر پہلے بیان کیا گیا کہ حکمران گروہ اور دینی جماعتوں کے مابین نظریہ پاکستان کی تعبیر کا فرق موجود رہا ہے۔ یہ معاملہ ابھی جاری تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو پاپولر لیڈر کے طور پر پیپلز پارٹی کا جھنڈا لے کر میدان سیاست میں آئے۔ یہ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کا دور تھا۔ تیسری دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح پاکستان میں بھی سوشلسٹ نظام کے متعدد نظریاتی گروہ موجود تھے۔ یہ گروہ بھٹو صاحب کی مقبول شخصیت کے گرد اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کے نعروں کو مقبول بنا دیا۔ 1970ء کے الیکشن میں بھٹو صاحب نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوشلسٹ گروہوں اور چند فیوڈل شخصیات کو ملا کر مغربی پاکستان میں اسلامی نظام کی داعی قوتوں اور اشرافیہ دونوں کو انتخابی شکست دی۔ برسر اقتدار آنے کے بعد پیپلز پارٹی نے قومی اسمبلی میں تمام موجود نظریاتی اور سیاسی جماعتوں کے اتفاق رائے سے 1973ء میں نیا آئین دیا، جس کے ذریعے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئینی اداروں کی نئی تشکیل کی۔ یہاں ہم اس آئین کے نظریاتی پہلوؤں پر غور کریں گے۔

آئین کے آرٹیکل 2 میں یہ اقرار کیا گیا کہ ''اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہوگا۔'' سابق چیف جسٹس محمد منیر نے اپنی کمنٹری میں اس کی تشریح یوں کی ہے کہ ''اس آرٹیکل کا بظاہر یہ مطلب ہے کہ ریاستی حکومت اسلام کے اصولوں پر مبنی ہوگی''۔ اس آئین کے آرٹیکل 3 میں استحصال کے خاتمے کا اقرار کیا گیا ہے۔ اس کا متن یہ ہے ''مملکت استحصال کی تمام اقسام کے خاتمہ اور اس بنیادی اصول کی تدریجی تکمیل کو یقینی بنائے گی کہ ہر کسی سے اس کی اہلیت کے مطابق کام لیا جائے گا اور ہر کسی کو اس کے کام کے مطابق معاوضہ دیا جائے'' آئین میں بطور بنیادی حق یہ اقرار کیا گیا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اجتماع کی آزادی ہوگی، انجمن سازی کی آزادی ہوگی، تقریر اور اظہار خیال کی آزادی ہوگی، تجارت، کاروبار اور پیشے کی آزادی ہوگی۔ ساتھ ہی ریاست کو حق دیا گیا کہ عوضانہ ادا کر کے کسی بھی پرائیویٹ پراپرٹی یا صنعتی ادارے کو قومیا لے۔

آرٹیکل 3 میں استحصال کے خاتمے کی بات جن الفاظ میں کی گئی ہے وہ خاص سوشلسٹ پیرایہ ہے۔ اس آرٹیکل کو جماعت اسلامی کے چار ارکان اسمبلی اور جمعیت علماء اسلام کے تین ارکان اسمبلی نے بھی منظور کیا۔ دیکھا جائے تو 1973ء کا آئین پیپلز پارٹی کے اس عہد کا اظہار ہے کہ ہمارا مذہب اسلام ہے، معیشت سوشلسٹ ہے، سیاسی نظام جمہوری ہے۔ یوں اس پارٹی کا اسلامی جمہوری سوشلزم کا نعرہ مکمل ہوگیا۔ سوشلسٹ پروگرام کو پروان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چڑھانے کے لیے ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت نے نجی صنعتی اداروں، بنکوں اور انشورنس کمپنیوں کو قومیایا۔ معاشی زندگی کے حوالے سے غور کیا جائے تو یہ اثرات زیادہ تر پیپلز پارٹی کے قومیانے سے مرتب ہوئے (سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اسلامی معیشت کی نظری بحثوں کو تاجروں اور صنعت کاروں نے کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا) اگر پیپلز پارٹی نجی شعبے میں سرمایہ کاری اور صنعت کاری کے رجحان کو گزند نہ پہنچاتی تو معاشی جدیدیت کا تیز عمل روایتی مذہبی گروہوں کی سماجی اور سیاسی طاقت کو بہت کمزور کر چکا ہوتا۔ پیپلز پارٹی کے سوشلسٹ اقدام پر غور کرتے ہوئے انڈیا کی نیشنل کانگریس کے سیکولر جمہوری سوشلسٹ پروگرام سے تقابل مناسب معلوم ہوتا ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس کی حکومت نے قومیانے کا یہی عمل پچھلی دہائی میں کیا تھا۔ فرق جمہوری نظام کا رہا اور یہ بھی کہ وہاں سرمایہ داری نظام جڑیں پکڑ چکا تھا۔ پھر بھارت میں عام انتخابات منصفانہ ہوئے پاکستان میں کبھی ایسا نہ ہوا۔ بھارت میں عدالتیں، الیکشن کمیشن اور اخبارات آزاد رہے۔ پاکستان ان آزادیوں سے محروم رہا۔ اس کا سبب ہمارا فیوڈل کلچر ہے جو بھارت کی نسبت زور آور ہے۔ پیپلز پارٹی کی حکومت نے اسلام سے اپنا تعلق ظاہر کرنے کے لیے مذہبی گروہوں کے مطالبے پر مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔

دینی جماعتوں اور مسلم لیگ نے پیپلز پارٹی کا سوشلسٹ پروگرام قبول نہ کیا۔ نظریاتی محاذ پر ذوالفقار علی بھٹو کے مدمقابل سید ابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اسلامی ڈٹی رہی۔ دینی جماعتیں عوامی مقبولیت میں پیپلز پارٹی سے بہت پیچھے تھیں مگر جماعت اسلامی کے مداح اور بہی خواہ یونیورسٹیوں، ابلاغ عامہ کے اداروں اور اسلام کے تحقیقی اداروں میں اثر ورسوخ یا کنٹرول حاصل کر گئے۔ جماعت اسلامی نے سرمایہ دارانہ اور سوشلسٹ دونوں نظاموں کے مدمقابل اسلام کے معاشی نظام کا تصور پیش کر رکھا تھا، جو سرے سے ناقابل عمل تھا۔ جبکہ سوشلسٹ نظام ناقابل عمل نہ تھا۔ مگر وہ کارکردگی میں سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں کمزور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ افسوس یہ ہے کہ جب عوام یا سیاست دانوں کی کسی نظریے کے ساتھ جذباتی وابستگی ہو جائے تو ان کی توجہ عملی پہلوؤں کی طرف نہیں جاتی۔ یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ پیپلز پارٹی کے نئے نظریاتی کردار کی وجہ سے پاکستان کا پہلے سے موجود نظریاتی بحران بڑھ گیا اور نجی شعبے میں سرمایہ کاری اور ترقی رک گئی۔ یوں فیوڈل کلچر کو استحکام ملا اور پاکستانی سماج کی فضا جمہوریت کے لیے مزید ناسازگار ہوگئی۔ پیپلز پارٹی کی اقتدار سے بے دخلی کے بعد ریاست کا سوشلسٹ کریکٹر ختم ہوگیا۔ خود پیپلز پارٹی نے سوشل ڈیموکریسی کا نیا نعرہ اختیار کرلیا ہے۔

آئین کے بنیادی نکات کی وضاحت کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے اپنے فیصلوں میں اسلام کو اساسی ستون قرار دیا ہے۔ نتیجۃً اسلام سے منحرف آئینی ترمیم سپریم کورٹ کو قابل قبول نہ ہوگی۔ جس دور میں 1973ء کا آئین بنایا گیا تب ہر کہیں حکومت بڑی طاقت کی حامل ہوتی تھی اور نظریاتی تحریکیں بھی زوردار ہوتی تھیں۔ نظریاتی ریاستوں کے قیام کا رجحان مضبوط تھا۔ نظریاتی ریاست یک رنگ (Monolithic) ہوتی ہے اور یہاں سماج اور ریاست کے ہر شعبے کی شناخت اور ثقافت کو نظریاتی رنگ اور مفاد کے تابع رکھا جاتا ہے۔ مگر ہمارے آئین کی رو سے ایسا نہیں۔ واضح طور پر ریاست کو تکثیریتی (Pluralist) رکھا گیا ہے۔ تکثیریتی ریاست ایسی ریاست ہوتی ہے جہاں مختلف اکائیوں، شناختوں اور ثقافتوں کو تسلیم کر کے انہیں سیاسی اور معاشرتی زندگی میں شریک کیا جاتا ہے اور مختلف نظریاتی سوچوں کو زندہ رہنے اور پنپنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اب ایک جانب آئین کا دعویٰ ہے کہ ریاست نظریاتی ہے اور دوسری جانب حقیقت، یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ تکثیری خصوصیات کا حامل ہے۔ اس طرح ہمارے آئین میں ایک اندرونی تضاد پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تکثیری خصوصیات دو سو سالہ پرانی ہیں جبکہ نظریاتی کنفیوژن پولیٹیکل اسلام کی داعی جماعتوں نے قیام پاکستان کے بعد پیدا کیا۔ نظریاتی دباؤ بھی ایک وجہ ہے جس نے تکثیری خصوصیات (جس میں جمہوری آزادیاں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شامل ہیں) کو پھلنے پھولنے کا موقع نہیں دیا۔

حکمرانوں کی خواہش رہی ہے کہ سیاسی قوتوں کو نظریہ پاکستان پر کاربند کیا جائے۔ انہوں نے اس مقصد سے قانون سازی کی۔ پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ کے سیکشن 4 کے تحت کوئی سیاسی جماعت یا گروہ ''اسلامک آئیڈیالوجی'' کے خلاف اظہار رائے کر کے اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ جنرل ضیاء الحق کے دور اقتدار میں آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 میں ترمیم کی گئی کہ کوئی امیدوار پارلیمنٹ کی رکنیت کا اہل نہیں ہوگا جو ''ایسی رائے کی تشہیر کر رہا ہو یا کسی ایسے طریقے پر عمل کر رہا ہو جو نظریہ پاکستان کے لیے مضر ہے یا اس کی تضحیک کا باعث ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والا منتخب رکن نااہل ہو جائے گا۔''

ہم نے دیکھا کہ ریاستی قوتوں نے پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ اور آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 پر عمل نہیں کیا۔ اس لیے کہ اس طرح انتخابات میں حصہ لینے والے تقریباً تمام تر مقبول سیاسی رہنما نااہل قرار پاتے۔ شاید کچھ ناتجربہ کار افراد میدان سیاست میں رہ جاتے۔ یوں پاکستان کے نیم مردہ جمہوری نظام کی یقینی موت واقع ہو جاتی۔ پاکستان کے حکمران جمہوری نظام کو دائمی موت کی نیند نہیں سلانا چاہتے وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ملک کی سیاست ان کے زیر اثر اداران کے مفاد کی آلۂ کار بن کر رہے۔ وہ جمہوری نظام کی اہمیت سے آگاہ ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جمہوری پارٹیاں اور منتخب ادارے ہی مختلف لسانی اور ثقافتی قومیتوں کو پاکستانی قوم کی شکل دے سکتے ہیں۔

قراردادِ مقاصد:

برٹش انڈیا میں آل انڈیا مسلم لیگ کے بعض رہنماؤں نے عوامی جلسوں میں نفاذِ اسلام کے نعرے بلند کیے تھے۔ ان نعروں نے برٹش انڈیا کے مسلم عوام کو پاکستان کے قیام کے لیے آمادہ کرنے میں بڑی مدد دی۔ پاکستان بننے کے بعد حکمرانوں نے سیاسی مقاصد کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی نظام کی بات جاری رکھی اور اس طرح مسلمان عوام کے ساتھ ایک جذباتی تعلق برقرار رکھنے کا سامان کیا۔ اب ذرا پاکستان کے معماروں کا اسلام کے بارے میں نقطہ نظر بیان ہو جائے۔ اس نقطۂ نظر کی شاہکار تحریر 1949ء کی قرارداد مقاصد ہے۔ اس کا متن درج ذیل ہے:

"چونکہ اللہ تبارک تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اس نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمایا ہے اور چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے، لہٰذا جمہوریہ پاکستان کی نمائندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد اور خودمختار مملکت پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کیا جائے:

(الف) جس کی رو سے جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہوریہ کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے۔

(ب) جس میں اصول جمہوریت وحریت ومساوات ورواداری اور عدل عمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

(ت) جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات اور مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول میں متعین ہیں ترتیب دے سکیں۔

(ث) جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں اور ان پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

(ج) جس کی رو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاق بنائیں جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ ومتعینہ اختیارات کے تحت خودمختار ہوں۔

(ح) جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے اور ان حقوق میں قانون و

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اخلاق کے ماتحت مساوات حیثیت و مواقع، قانون کی نظر میں برابری، عمرانی اقتصادی اور سیاسی عدل، اظہار خیال، عقیدہ دین، عبادات اور ارتباط کی آزادی شامل ہو۔

(ح) جس کی رو سے اقلیتوں اور پسماندہ و پست اقلیتوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔

(د) جس کی رو سے وفاق کے علاقوں کی صیانت، اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس کے بحر و بر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں تحفظ کیا جائے گا کہ اہل پاکستان فلاح و خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز و ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود میں کما حقہٗ اضافہ کر سکیں۔"

اس قرارداد کے تین حصے ہیں۔ شروع کا فقرہ ابتدائیہ ہے۔ دوسرا حصہ (الف) سے (د) آٹھ تعارفی کلازیں ہیں۔ آخر میں قرارداد کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ قرارداد کے ابتدائی فقرے پر علماء کرام کی توجہ مرکوز ہے۔ اس فقرے میں مسلمانوں کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ مملکت پاکستان پر اللہ کا اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے جسے عوام کے منتخب نمائندے اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کریں گے۔ اس فقرے کی روح بعد کی کلازوں اور اس کے بیان کردہ مقاصد میں سرایت نہیں کی۔ اگر شروع کے فقرے کا فکری تسلسل جاری رہتا تو تعارفی کلاز (الف) یا کلاز (ب) میں نفاذ شریعت کی بات کہی جانی چاہیے تھی مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کلازوں اور مقاصد میں لبرل مفہوم کی باتیں بیان کی گئیں۔ تعارفی کلاز (ب) مسلم لیگ کے مخصوص انداز فکر کی عکاسی کرتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں اسلام کی تشریح کے مطابق جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کے اصولوں پر عملدرآمد ہوگا۔ تعارفی کلاز (ت) میں جس زندگی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ترتیب دینے کی بات کی گئی وہ ریاست کا کارپوریٹ ڈھانچا نہیں، مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ گویا مسلمانوں کی زندگی اور ریاستی نظام کو الگ الگ تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر کوئی اصرار کرے کہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی اسلامی تعلیمات کے مطابق استواری سے مراد ریاست میں اسلامی نظام کا نفاذ ہے تو یہ دور کی کوڑی لانے والی بات ہے۔

یہ بات چھپی ہوئی نہیں کہ ابتدائی فقرے اور تعارفی کلاز "ت" کے ذریعے روایتی مسلمانوں کو مطمئن کیا گیا اور تعارفی کلاز (الف) اور (ب) میں جدید انداز فکر کے حامل مسلمانوں کو مطمئن کیا گیا۔ قواعد تشریح کے مطابق قرارداد کی تاویل کے لیے اس کے مقاصد بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ مقاصد چار بیان کیے گئے۔ اول اہل پاکستان کی فلاح اور خوشحالی، دوم پاکستان کا اقوام عالم کی صف میں جائز اور ممتاز مقام، سوم امن عالم کا قیام اور چہارم بنی نوع انسان کی ترقی و بہبود۔ ان مقاصد پر ہر قوم مسلمان یا غیر مسلم کا اتفاق ہے۔ گویا قرارداد کے مقاصد کے ذریعے دوسری اقوام کو یہ پیغام دیا گیا کہ پاکستان اقوام عالم کا حصہ ہے اور ہمارے اور آپ کے نظریات میں دوری نہیں۔ اب مقاصد کی بات ہو جائے۔ ان میں ایسی کوئی بات شامل نہیں کی گئی جس سے کسی کو اختلاف ہو۔

قرارداد مقاصد کا متن بڑی مہارت سے تیار کیا گیا، سب حلقوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی اور واضح اقرار سے گریز کیا گیا کہ ریاست میں شریعت نافذ کی جائے گی۔

اسلامی نظام:

ہم نے دیکھا کہ مسلم لیگ کے رہنماؤں نے جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل عمرانی کو اسلامی اصول قرار دیا۔ ان کی تفصیلی وضاحت کبھی نہیں کی اور نہ ہی مذکورہ اصولوں کے مطابق معاشرت اور معیشت کا خاکہ پیش کیا۔ اگر وہ تفصیلی وضاحت اور معیشرتی نظام کا خاکہ پیش کر دیتے تو سیاسی میدان میں ان کا حامی مکتب فکر پیدا ہو جاتا جو علماء کے مکتب فکر کے مدمقابل ہوتا۔ مسلم لیگ نے درحقیقت کبھی اس مسئلے کو قابل توجہ نہیں سمجھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ علماء کرام نے بھی اپنے بائیس نکات کی اساس پر کسی سیاسی اور معاشی نظام کا منفقہ خاکہ پیش نہیں کیا مگر ان کے پیروکاروں کو ان کی حمایت برقرار رکھنے کے لیے کسی خاکے کی پیشگی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ جہاں عقیدہ اور جذباتی رویہ موجود ہو وہاں تقلیدی رویہ لازماً پیدا ہو جاتا ہے۔ تاہم دینی رہنماؤں بالخصوص سید ابوالاعلیٰ مودودی نے سیاسی اور معاشی نظام کے نام نہاد خاکے پیش کیے جو ناقابل عمل تھے۔ مگر عقیدہ اور جذباتی رویہ سے مغلوب کسی میڈیکل ڈاکٹر، انجینئر، سائنس دان، کمپیوٹر کے ماہر، ریاضی دان، وکیل، زبان دان، ادیب یا پڑھے لکھے عام آدمی کے نفسیاتی اطمینان کے لیے کوئی سا خاکہ کافی تھا۔ یہ جانچنا کہ سیاسی اور معاشی نظام کا خاکہ کس قدر کامیابی سے چلنے کی صلاحیت رکھتا ہے ایک مہارت طلب معاملہ ہے جس کے لیے جدید سماجی علوم کے گہرے مطالعے کے ساتھ نظام اور اداروں کے باہمی تعلق اور عملی پہلو کے فہم کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی دوسرے شعبے میں اعلیٰ سند یافتہ ہونا عوام کے لیے متاثر کن بن جاتا ہے مگر یہ سند نظام کے فہم کی صلاحیت عطا نہیں کرتی۔ افسوس ہمارے یہاں اعلیٰ سند یافتہ لکھاریوں اور مقرروں نے جوش تحریر و خطابت سے عوام کی نظروں میں ماہرین کا مقام حاصل کر لیا جو درحقیقت صحیح نہیں۔ علم کی گہرائی وسعت مطالعہ سے آتی ہے، ڈگری یا شہرت سے نہیں۔ اور سوچ میں نکھار تقابلی مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے، یک طرفہ مطالعہ سے نہیں۔

جہاں تک نظام کے عملی پہلوؤں کے فہم کی بات ہے یہ کمزوری علماء کے پیروکاروں تک محدود نہیں۔ ہر نظریہ جو عقیدہ اور جذباتی رویہ پیدا کرے وہ اپنے پیروکاروں کی کھیپ تیار کر لیتا ہے۔ مثلاً سوشلزم اور کمیونزم کا نظریہ۔ یہ نظریات پیش کرنے والوں نے سرمایہ دارانہ نظام کی کمزوریوں پر بھرپور تنقید کی۔ تنقید سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ناقد جس نظام کا حامی ہے وہ کمزوریوں سے پاک ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سوشلسٹ ''فلسفہ'' میں بڑی طاقت تھی جس نے پڑھے لکھے طبقے میں عقیدت مندوں کا ایک گروہ قائم کر لیا۔ یہی نہیں انہوں نے ایک بار

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوشلسٹ فلسفے کے مطابق سیاسی اور معاشی ادارے قائم کیے اور ایک عرصہ تک چلا کر دکھائے۔ مگر لمبے تجربے نے ثابت کیا کہ طاقتور فلسفہ عملی دنیا میں مستقل کامیابی کا ضامن نہیں بن سکتا۔ سوشلسٹ نظریاتی مملکت عوام کی جمہوری امنگوں کو مطمئن نہ کر سکی اور سوشلسٹ نظام ایسی معاشرتی اقدار کو اجاگر نہ کر سکا کہ سوشلسٹ معیشت کی پیداواریت مغربی ممالک کے معیار کو حاصل کر سکے جن کی اقدار میں فکری آزادی، جمہوریت اور نجی ملکیت پائی جاتی ہے۔

اسلام کے سیاسی اور معاشی نظریات پیش کرنے والے علماء جدید سماجی علوم کے اعتبار سے سوشلسٹ نظام کے ماہرین سے بہت پیچھے تھے۔ ہمارے علماء (عقیدے کی بنیاد پر) نئی حقیقت تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ جبکہ انہیں موجود حقیقت کا بھی پورا اور صحیح ادراک نہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے انتخابی نظام میں امیدواری کو حرام اور پارٹی سسٹم کو ایک لعنت قرار دیا۔ ان کا تصور یہ تھا کہ اخلاق سے عاری اور شہرت کے بھوکے افراد کو مسلم معاشرے کی سیاست میں کوئی مقام نہیں ملنا چاہیے۔ چنانچہ 1950ء کی دہائی کی شروعات میں انھوں نے سیاست میں عملی طور پر حصہ لینے کا عزم کیا اور یہ خوش کن تصور پیش کیا کہ اسلامی نظام کے کسی دعویدار کو سیاسی منصب کا خواہش مند نہیں ہونا چاہیے، بلکہ حلقے کے دوسرے افراد یہ فیصلہ کریں کہ سیاسی منصب کا اہل کون سا شخص ہے جسے امیدوار کے طور پر نامزد کیا جائے۔ دوسرے افراد ہی اس امیدوار کے لیے انتخابی کنویسنگ کریں (حوالہ ترجمان القرآن اکتوبر 1950ء) جماعت اسلامی اس نظریے پر پہلے ہی تجربے کے بعد کاربند نہ رہ سکی۔ اس سے ثابت ہوا کہ نظریہ جو روایتی عقیدے پر قائم ہو اور موجودہ دور کی حقیقتوں سے مطابقت نہ رکھتا ہو وہ کامیاب نہیں ہوا کرتا۔ عملی زندگی کا تجربہ ہی یہ سمجھاتا ہے کہ آج کے دور کا قابل عمل نظریہ کیا ہے۔

اب ذرا معاشی نظام کی بات ہو جائے۔ بات سید ابوالاعلیٰ مودودی کے حوالے ہی سے کی جائے گی اس لیے کہ تعلیمی اعتبار سے سند یافتہ حلقوں میں ان کا اثر پایا جاتا ہے۔ سید

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صاحب نجی ملکیت کے حامی تھے تاہم ان کا نجی ملکیت کا تصور مغربی سرمایہ دارانہ نظام سے جدا تھا۔ وہ بااختیار ملکیت کی بجائے امانت داری کے نظریے سے مشروط ملکیت کے حامی تھے۔ تمام املاک کی ملکیت خدا کی ہے اور انسان اسے صرف اللہ کی مقرر کردہ حدود کے مطابق استعمال کرسکتا ہے۔ اس نظریے پر انہوں نے نیا معاشی نظام استوار کرنا چاہا جبکہ اس تصور پر کوئی نظام سرے سے قائم ہو ہی نہ سکتا۔ اس لیے کہ کوئی ادارہ یہ تعین کرنے کے قابل نہیں کہ شخص جو املاک کا امانت دار ہے اس نے املاک کو اللہ کی منشا اور حدود کے مطابق استعمال کیا ہے یا نہیں۔ سید صاحب کی رائے تھی کہ اگر تقسیم وراثت کا تصور نافذ ہو، حلال وحرام کا اہتمام کیا جائے اور تمام حق داروں کے حقوق دیانت داری سے ادا کیے جائیں تو نجی ملکیت سے وہ خرابیاں پیدا نہ ہوں گی جو سرمایہ داری میں پیدا ہوتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے سید ابوالاعلیٰ مودودی معاشی قدر اور معاشی ادارے کے درمیان فرق پیش نظر نہ رکھ سکے۔ انہوں نے بنکنگ نظام بلکہ پورے معاشی نظام سے سود خارج کرنے کا مطالبہ بھی کیا۔ انہوں نے تجویز کیا کہ جو معاشی کردار سود ادا کرتا ہے اسے نفع نقصان کے اصول سے بدل دیا جائے۔ یہ نظریات سید صاحب نے اپنی کتابوں ''سود'' اور ''اسلام اور جدید معاشی نظریات'' میں بیان کیے۔ بعض علماء نے جنرل ضیاء الحق کے سامنے یہ تصور بھی پیش کیا کہ اسلام کے نفاذ کی ذمہ داری عدالتوں کے سپرد کردی جائے۔ یہ امور عدالتیں طے کریں کہ اسلام کے قوانین کیا ہیں اور وہی ان قوانین کے نفاذ کا حکم جاری کریں۔ گویا ریسرچ اور پولیٹیکل ڈیسک ورک عدالتیں انجام دیا کریں۔

جنرل ضیاء الحق نے مذکورہ تجویز کے مطابق فیڈرل شریعت کورٹ قائم کی، جس کے فیصلے کے خلاف اپیل سپریم کورٹ کا شریعت بینچ سنتا ہے۔ فیڈرل شریعت کورٹ نے سود کو خلاف اسلام قرار دے دیا۔ یہ فیصلہ جسٹس تنزیل الرحمٰن نے کیا جنہوں نے بطور وکیل اپنی ایک تصنیف میں اس مسئلے پر بحث کر رکھی تھی۔ سپریم کورٹ کے شریعت بینچ نے 1999ء میں اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیصلے کو برقرار رکھا مگر جس سود کو خارج کرنے کا حکم جاری کیا وہ صرف بنک کا تھا۔ وفاقی حکومت کے ایک وزیر ڈاکٹر محمود غازی نے اخباری بیان جاری کیا کہ یکم جولائی 2001ء سے سپریم کورٹ کے شریعت بینچ کے فیصلے پر عمل درآمد ہو جائے گا۔

نجی ملکیت پر قائم جدید معاشی نظام میں کردار جو سود ادا کرتا ہے اس کی کوئی متبادل صورت نہیں۔ یقیناً بہتر معاشی نظم و نسق سے سود کی شرح کم کی جا سکتی ہے۔ جاپان کی معیشت کے بعض شعبوں میں اس کی شرح صفر ہو چکی ہے مگر سود سب شعبوں سے خارج نہیں ہوا۔ میں یہاں جس نکتہ کی جانب اشارہ کرنا چاہتا ہوں اس کے لیے سود کے کردار کی بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ میں نظریاتی کونسل کے مشورے کا ذکر کروں گا جو سپریم کورٹ کے شریعت بینچ کے فیصلے کے متن میں درج ہے:۔

"Moreover, Council of Islamic Ideology has warned time and again that interest-free banking cannot be successfully operative unless a total change does not take place in the society. There is no denying the fact that elimination of interest is only a part of the overall socio-economic system of Islam and to quote from the report of the council of Islamic Ideology, this major change alone cannot transform the entire system in accordance with the Islamic Vision, as simultaneously with the introduction of interest-free Banking System, strenuous efforts shall have to be made on a wide front to inclucate in the society basic virtues such as fear of Allah, honesty,

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

trustworthiness, sense of duty and patriotism. There are wide range of steps to be taken by all concerned for the realization of this objective namely, the establishment of socio-economic ideal of Islam. These steps shall have to be taken jointly by the individuals, the business community, the banks, the industrialists, the tax collectors and the Government in power. Unless the entire machinery and the Government and the entire business life is geared with full dedication in this direction, the curse of Riba cannot be eliminated. The challenge is undoubtedly colossal and the task is teremendous and it requires a serious and dedicated effort," (Extract from page 573 of the judgement reported as PLD 2000 S.C.225)

نظریاتی کونسل نے یہ مشورہ دے رکھا تھا کہ سود کو معیشت سے خارج کرنے کے لیے اسلام کے وژن کے مطابق ملک کے مکمل نظام کی نئی تشکیل کی ضرورت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پورے نظام کی تشکیل نو کیسے ہوگی؟ اہم ترین سوال یہ ہے کہ کیا آج کے دور میں پاکستان یا کوئی دوسرا ملک اپنی الگ نظریاتی ریاست قائم کرسکتا ہے؟ اس سوال پر سپریم کورٹ کے شریعت بینچ نے غور نہیں کیا۔ ہم اس مسئلے پر کچھ دیر بعد غور کریں گے۔ جہاں تک سود کے معاملے پر عدالتی فیصلے کا تعلق ہے، سپریم کورٹ کے شریعت بینچ نے بعد ازاں نظریاتی فیصلے کے ذریعے فیڈرل شریعت کورٹ کے اوریجنل فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا ہے اور اس کی توجہ ان سقموں کی طرف مبذول کرائی جو فیصلے میں پائے جاتے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صنعتی دور اور مستقبل کا نظام:

صنعتی دور کے قوانین اور معیشت کو سمجھنے کے لیے ہمیں صنعتی معاشرے کی کچھ خصوصیات کا ذکر کرنا ہوگا۔ ان خصوصیات کو ہم صنعتی دور اور قبائلی دور کے تقابل سے پیش کریں گے۔ صنعتی دور سے قبل قوموں کا وجود نہ تھا تب سلطنتیں اور تہذیبیں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذاہب کسی قوم سے مخاطب نہیں۔ ان کا خطاب انسانوں سے ہے جو تہذیبوں کے حامل ہیں۔ ''قوم'' کا تصور یورپ کے صنعتی دور کا پیدا کردہ ہے۔ قوم کی بنیاد پر یورپ میں ریاستیں قائم ہوئیں۔ ان ریاستوں نے عیسائی مذہب سے علیحدگی اختیار کی اور قانون سازی کا اختیار حاصل کر لیا۔

صنعتی انقلاب کا سبب سائنسی سوچ تھی جس کا اہم اظہار انجن کی ایجاد کی صورت میں ہوا جو بھاپ کی طاقت سے چلتا تھا۔ اس ایجاد سے خودکار مشینوں کا کردار ممکن ہو گیا۔ ان مشینوں کے بڑھتے ہوئے پیداواری حجم کے تقاضوں کے مطابق نئے معاشی ادارے وجود میں آئے۔

اس دور سے قبل معاشی زندگی کا زیادہ انحصار مویشی پالنے، زراعت اور تجارت پر تھا۔ صنعتی ادارے حجم میں چھوٹے ہوتے تھے ان کو چلانے کے لیے انسانی قوت یا گھوڑے اور بیل ہوتے تھے۔ کارکن ملازموں اور شاگردوں کی تعداد محدود ہوا کرتی تھی جن کے معاملات کی دیکھ بھال کا فریضہ کاروبار کا مالک ادا کرتا تھا۔ صنعتی دور میں پیداواری حجم بڑھنے کی وجہ سے سینکڑوں اور ہزاروں مزدوروں کی ضرورت پڑی۔ صنعت کار کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ ایک ایک ملازم کے گھریلو مسائل کی دیکھ بھال کرے۔ یوں لیبر کے قوانین رائج ہوئے، جنہوں نے آجر اور اجیر کے درمیان تعلقات کو ریگولیٹ کیا۔ کاروباری تعلقات روایتی اخلاقی قدروں کی بجائے پروفیشنل اصولوں کے مطابق طے ہوئے۔ معاشی اور سماجی طاقت بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کی بجائے سرمایہ داروں اور مزدوروں کے پاس پہنچ گئی جس کے منطقی نتیجے میں مطلق العنان بادشاہت اور جاگیرداروں کی بجائے سرمایہ داروں اور مزدوروں کے پاس پہنچ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئی جس کے منطقی نتیجے میں مطلق العنان بادشاہت اور جاگیردارانہ نظام کی جگہ جمہوری نظام نے لے لی۔ صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کے ظلم کو روکنے میں جمہوری نظام نے اہم کردار ادا کیا۔ جمہور کے مطالبے پر سماجی انصاف فراہم کرنے کا فریضہ ریاستوں نے سنبھال لیا۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ خاندانی اکائی ٹوٹ گئی تھی۔ صنعتی دور کا تاجر اور صنعت کار ذاتی مفاد اور مسابقت میں بے رحم ہو گیا۔ یوں رفاہی نظام کی ضرورت بڑھ گئی۔

صنعتی دور سے پہلے ہر طرح کا نقصان، تجارتی اور حادثاتی کاروبار کا مالک خود برداشت کرتا تھا۔ کاروباری ادھار اور ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے مالک کی غیر کاروباری املاک کی قرقی ہو جایا کرتی تھی۔ صنعتی دور میں کاروباری نقصان کو کاروباری سرمائے تک محدود رکھنے کے لیے لمیٹڈ کمپنیاں وجود میں آئیں۔ اتفاقیہ نقصان کو پورا کرنے کے لیے انشورنس کمپنیاں قائم ہوئیں۔ جدید کاروبار کی منصوبہ بندی میں بنیادی سرمایہ کمپنی کے حصہ دار فراہم کرتے جو منافع کو چند ہاتھوں میں مرکوز کرنے کے لیے حصہ داروں (Shareholders) کی تعداد یا ان کا سرمایہ زیادہ نہیں رکھتے کیونکہ اسی طرح سرمائے کی نسبت سے منافع کی شرح اونچی رہ سکتی ہے۔ کمپنی اپنی باقی مالی ضرورت بنک سے قرض لے کر پوری کرتی۔ یہاں تجارتی شعبے میں سود کا کردار آتا ہے۔ بنک میں رقوم ڈپازٹ کرانے والے لوگ اس کاروباری نقصان سے بچنا چاہتے ہیں جو کمپنی یا تاجر اٹھاتے ہیں۔ خیال رہے کہ بنک میں اپنی بچت جمع کرانے والے بیشتر افراد نقصان برداشت کرنے کی حیثیت میں نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس ان کی خواہش ہوتی ہے کہ انہیں سود کم از کم انفلیشن کی شرح کے لگ بھگ مل جائے۔ عام طور پر شرح سود کا انحصار زر کی رسد اور طلب پر ہوتا ہے۔ مذکورہ سب ادارے (لمیٹڈ کمپنیاں، انشورنس اور سود) پیداوار اور تجارت کے بڑے حجم کی وجہ سے قائم ہوئے۔ اگر ہم مسلمان صرف قبائلی دور میں رائج پرانے طریقوں اور اصولوں کو اسلامی قرار دینے پر مصر ہیں تو پھر ہمیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بھی اقرار کرنا ہوگا کہ بڑے پیمانے کی صنعت اور تجارت غیر اسلامی ہے۔

آیئے اب نظریاتی ریاست کے مسئلے پر غور کریں۔ نظریاتی ریاست ایک مخصوص فکری نظام پر کاربند ہوتی ہے۔ یہ فکری نظام ہمہ گیر ہوتا ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ فکر سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ ریاست، سیاست، معیشت، نظام تعلیم، آرٹ اور کلچر خود کو اس دائرہ کار میں پابند رکھتے ہیں۔ اسلامی فکری نظام نے زیادہ تر منطقی دلیل پر انحصار کیا ہے۔ دلیل کا تعلق پہلے سے موجود ابدی اور غیر متغیر اقدار اور نظریات پر ہوتا ہے۔ غور طلب سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان یا کوئی بھی ملک اپنا الگ اور نظریاتی اعتبار سے دنیا سے مختلف نظام قائم کر سکتا ہے؟ کسی الگ نظریاتی سوسائٹی کا قیام ایسے دور میں ممکن تھا جب ریاست کے پاس یہ طاقت ہوتی تھی کہ وہ اپنے ملک کے گرد اونچی نظریاتی چار دیواری کھڑی کر دے تاکہ باہر سے تازہ فکر کا کوئی جھونکا اندر داخل نہ ہو۔ مزید برآں معاشی اور انتظامی قدغنیں عائد کر کے ملک کو مخصوص رخ پر چلایا جانا ممکن ہوتا تھا۔ طے شدہ نظریاتی مقاصد کا حصول زندگی کے بہت سے شعبوں میں سخت گیری اور جبر کا تقاضا کیا کرتا ہے۔ ایسی سوسائٹی پچھلی صدی کی چھٹی یا ساتویں دہائی تک ممکن تھی۔ مگر سخت گیری کا کڑا رویہ پاکستان جیسے فیوڈل سماج نے بھی اختیار نہ کیا۔ مسلم لیگ کے فیوڈل رہنما بھی اسلام کی اس تنگ نظرانہ تعبیر کو قبول نہ کر سکے جو علماء نے پیش کی۔ فرض کیجئے کہ اگر پاکستان کی حکومت ایسی رجمنٹڈ سوسائٹی قائم کر دیتی تو کیا وہ پائیدار ثابت ہوتی؟ سوویت یونین کی رجمنٹڈ سوسائٹی نے اپنے انجام سے ثابت کیا کہ ایسی سوسائٹی پائیدار نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں ایسی سوسائٹی فکر کی آزادی کو دبا کر گھٹن اور مایوسی کا ماحول قائم کر دیتی ہے جہاں علم، سائنس اور معیشت تیز رفتاری سے ترقی نہیں پاتی۔

آیئے نظام کے مسئلے کو ایک اور انداز سے پیش کریں۔ نظام کی نوعیت سماج کے ارتقائی درجے کے مطابق ہوتی ہے۔ اکثر مسلم سوسائٹیاں صنعتی دور میں داخل نہیں ہوئیں۔ یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابھی زرعی اور قبائلی ادوار سے گزر رہی ہیں۔ ہمارے علمائے کرام کی اکثریت نے ان علوم کا سرے سے مطالعہ نہیں کیا جو صنعتی دور میں سماجی ترقی کا باعث ہوتے ہیں۔ کچھ جن کا مطالعہ ہے، گہرا نہیں۔ وہ فکری طور پر ماضی سے وابستہ ہیں۔ اس کے مقابلے میں روایتی سوشلزم صنعتی دور کا نظریہ تھا مگر یہ نظریہ صنعتی دور کے اس حصے کا تھا جب آٹومیشن نے ترقی حاصل نہ کی تھی اور جسمانی محنت دماغی قوت کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ سوشلسٹ نظام ان معاشروں میں کامیاب ثابت ہوا جو بوقت انقلاب صنعتی کامیابی سے ہمکنار نہ ہوئے تھے۔ سوشلسٹ نظریے نے جمود یافتہ ریاست اور معاشروں کو جھنجھوڑا اور انہیں صنعتی دور میں داخل کیا۔ سوشلسٹ ریاستوں نے غیر ملکی تجارت کی مسابقت روک کر صنعتی ترقی اور معاشی جدیدیت حاصل کی اور اپنے ملک کے پسماندہ طبقات کو اوپر اٹھایا اور ان کی معاشی حالت بہتر بنا کر متعدد سرمایہ دار ممالک کو رفاہی ریاست بننے پر مجبور کر دیا۔ لیکن سوشلسٹ سسٹم عالمگیر معاشی نظام کا موجب نہ بن سکا۔

معاشی عالمگیری میں تیزی سرمایہ دارانہ نظام نے پیدا کی۔ اس معاملے میں لیڈر شپ کا کردار ترقی یافتہ صنعتی ممالک کی ٹرانس نیشنل کارپوریشنوں نے ادا کیا۔ فنی اور مالی صلاحیت انہی کو حاصل تھی کہ جدید ایجادات سے صنعتی اشیا کی پیداوار کی کوالٹی کو بہتر بنائیں، لاگت کو کنٹرول کریں، حجم کو بڑھائیں اور اس کی بین الاقوامی مارکیٹنگ کا سامان کریں۔ اس پیش قدمی کے لیے درکار آزادی کا ماحول سرمایہ دارانہ نظام نے مہیا کیا۔

عالمگیر نظام پر غور کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ اسلامی نظام کی مذکورہ بالا بحث سے نتائج اخذ کر لیے جائیں۔ انہیں کچھ یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے سیاسی اور معاشی نظام کے خاکے روایتی نظریات اور نیک خواہشات پر مبنی تھے۔ اسلام کے ماہرین نے ہمیشہ یہی ثبوت دیا کہ وہ موجودہ صورت حال اور جدید علوم کا کماحقہٗ ادراک نہیں رکھتے۔ انہوں نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقیدے کے زور سے حقیقی صورت حال کو اپنی خواہش کے مطابق ڈھالنا چاہا۔ گویا وہ رائج تہذیب کو روایتی کلچر کے مطابق بدلنا چاہتے ہیں۔ اس کو وہ اجتہاد قرار دیتے ہیں۔ یہاں تہذیب اور کلچر کی اصطلاحات کو سمجھنا ضروری ہے۔ علوم وفنون، سائنس، ٹیکنالوجی، سیاست، معیشت اور قوانین تہذیب کے مظہر ہوتے ہیں جبکہ روایات اور مذہبی نظریات کلچر میں شامل ہیں۔ خیال رہے کہ نئی تہذیب کو روایتی کلچر کے مطابق ڈھالنے کی کوشش پائیدار ثابت نہیں ہوتی۔ علوم وفنون، سائنس اور ٹیکنالوجی واپس نہیں لوٹا کرتے۔ تاہم تہذیب اور کلچر میں ربط ہونا چاہیے۔ اگر یہ باہم مربوط نہ ہوں تو معاشرے میں منافقت پروان چڑھتی ہے۔

تاریخی ارتقاء کا رخ عالمگیر تہذیب کی طرف ہے جبکہ کلچر ایسی روایات اور نظریات پیش کرتا ہے جو صنعتی انقلاب سے پہلے ادوار سے چلے آ رہے ہیں۔ سیاسی تجربہ رکھنے والے دینی رہنماؤں کو نئی معاشی اور سیاسی صورت حال کا کچھ نہ کچھ احساس ہو رہا ہے۔ یہ اس بات سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اسلامی نظام کے اس موقف پر اصرار چھوڑ دیا ہے جو چند دہائیاں قبل زور شور سے پیش کیا کرتے ہیں۔ میدانِ سیاست میں اب اسلام کے معاشی اور سیاسی نظام کے نعرے سننے میں نہیں آ رہے۔ تاہم یہ فکری تبدیلی ہمہ گیر نہیں۔ یونیورسٹی کے تعلیمی کورس میں اسلامی نظام کا تصور پیش کرنے والی پرانی کتب آج بھی موجود ہیں۔ دینی مدرسوں کے کورس میں کوئی فکری تبدیلی نہیں آئی۔ کورس میں صرف نئے مضامین شامل کرنے کی کوشش ہو رہی ہے جن سے مدرسوں کے طلبا کو بہتر ملازمت کے مواقع دستیاب ہو جائیں گے۔ جہاں تک مستقبل کے عالمی نظام کا تعلق ہے اس کے لیے دینی ہی نہیں دوسرے حلقوں میں بھی کوئی فکری تیاری موجود نہیں۔ میری دانست میں اس بات کا امکان نہیں کہ اس سمت میں بیشتر مسلم معاشرے بروقت فکری تیاری کریں گے۔ مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ مسلم معاشروں نے فکری اعتبار سے سماجی ارتقاء کے تقاضوں کا کبھی ساتھ نہیں دیا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ دینی حلقے جو جنرل ضیاء الحق کے دور میں کھلے عام یا درپردہ فوجی بالادستی کی حمایت کرتے رہے اب ملکی سیاست میں فوج کی مداخلت کے خلاف ہیں۔ وہ جمہوری نظام اور آئین کی بالادستی کے حامی بن چکے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے۔ مگر یہ نئی سوچ انہوں نے وسیع پیمانے پر کنفیوژن پھیلانے کے بعد تلخ تجربے سے سیکھی ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ فوج نے مسلم لیگ کے ایسے وزیر اعظم کی حکومت ختم کر دی جو اسلامی نظام کے دعویدار کے طور پر دینی جماعتوں کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد فوج نے مجبوری کے تحت اپنی افغان پالیسی بھی بدل لی جو فوج اور دینی جماعتوں میں یک جہتی پیدا کرتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان تبدیلیوں کی وجہ سے دینی جماعتوں کا فوج پر اعتماد ڈول گیا ہے۔ فوج کے زیر اثر پاکستان ایسی پالیسی پر گامزن نظر آ رہا ہے جو علماء کے لیے قابل قبول نہیں۔ وہ فوج کی بالادستی سے طرح طرح کے خطرات محسوس کرنے لگے ہیں۔ خیال رہے کہ آج کی عالمی پیش رفت پاکستان کے دینی حلقوں کے مفاد اور مؤقف کے خلاف ہے۔ دینی حلقوں کا خیال ہے کہ رائج آئین ملک کے اندر ان کے سیاسی کردار کے بقا کا سبب ہوسکتا ہے گویا مستقبل میں ان کے تحفظ کی ضمانت آئین کی بالادستی میں ہے، نہ کہ فوج کی بالادستی میں۔

عالمگیریت کے مسئلے پر غور کرنے کی ابتدا ہم پانی پت کے مشہور خانوادے سے تعلق رکھنے والے ایک ماہر تعلیم خواجہ غلام السیدین کے مضمون کے تراشے سے کریں گے جس میں انہوں نے مسلم تہذیب اور عالمی تہذیب کے تعلق پر غور کیا ہے۔ یہ مضمون جولائی 1948ء میں ''نئی روشنی'' دہلی میں شائع ہوا:

> ''ایک تو آج کل کی دنیا میں ایسی وحدت پیدا ہوگئی جو پہلے کبھی نہ تھی، ان تمام اختلافات اور جھگڑوں کے باوجود جو بین الاقوامی میدان میں نظر آتے ہیں، یہ بات اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ دراصل یہ اختلافات اسی لیے اور زیادہ خطرناک ہیں کہ سب ملک ایک دوسرے سے اس قدر وابستہ ہوگئے ہیں کہ ایک کے فائدے یا نقصان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اثر سب پر پڑتا ہے اور یہ وابستگی صرف معاشی یا صنعتی نہیں بلکہ ذہنی اور تہذیبی بھی ہے۔ خیالات اشیاء سے اور انسانوں سے کہیں زیادہ تیزی سے حرکت کرتے ہیں۔ ایسی دنیا میں لوگوں کا ایک دوسرے کی تہذیب سے ناواقف ہونا صرف حماقت اور بد تہذیبی ہی نہیں بلکہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ اب کوئی قوم یا جماعت یہ نہیں کر سکتی کہ اپنے گرد ایک حصار کھینچ لے اور اس کے اندر رہ کر اپنی تہذیبی خصوصیات کو دوسری تہذیبوں سے الگ تھلگ رکھ کر نشو ونما دے۔ غرض دنیا میں تہذیبی دولت کی لین دین بہت ضروری ہے اور اس میں اسلامی تہذیب دوسری تہذیبوں کو بہت کچھ دے سکتی ہے اور ان سے بہت کچھ لے سکتی ہے۔ دوسروں سے علیحدگی اور بے تعلقی خود اسلامی تہذیب کی روح کے بھی منافی ہے اور اگر اس نے یہ طرز اختیار کیا تو اندیشہ ہے کہ اپنی تخلیقی قوت سے اور قوت حیات سے ہاتھ دھو بیٹھے گی۔"

(بشکریہ سہ ماہی "اسلام اور عصر جدید" خصوصی شمارہ جنوری 2004ء جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی)

اب ہم عالمگیر نظام کے چند پہلوؤں پر غور کریں گے جن کا تعلق زیر بحث معاملے سے ہے۔ معاشی عالمگیریت ٹرانس نیشنل کارپوریشنوں کے زیر اثر آگے بڑھی ہے۔ پسماندہ اقوام جہاں امن ہے اور نظم ونسق قائم ہے وہ ٹرانس نیشنل کارپوریشنوں کی انوسٹمنٹ کھینچ لیتی ہیں۔ تاہم پسماندہ اقوام میں سے وہی قوم ان کی اولین توجہ کی مستحق بنتی ہے جہاں تعلیم اور ہنر کا معیار نسبتاً بہتر ہوتا ہے اور جہاں لیبر اور خام مال سستا دستیاب ہوسکتا ہے۔

درحقیقت ٹرانس نیشنل کارپوریشنیں سائنسی عالمگیریت کے لیے کردار عالمی سرمایہ داری نظام کے ایجنٹ کے طور پر ادا کرتی ہیں، آج دنیا 210 بظاہر آزاد ممالک پر مشتمل ہے۔ تیسری دنیا کے بیشتر ممالک روایتی نوآبادیاتی نظام کے اختتام کے نتیجے میں وجود میں آئے ہیں۔ ان ممالک کی جغرافیائی حدود، سرکاری زبانیں اور اشرافیہ کی منتخب حکومتیں نوآبادیاتی دور میں قائم ہوئیں۔ ان ریاستوں میں مختلف نسلی ولسانی گروہ اور مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حامل لوگ بستے ہیں۔ یہ معاملات ان ریاستوں کے مابین سیاسی اور معاشی اعتبار سے متعدد جھگڑے پیدا کرتے ہیں جو عالمی سرمایہ داری نظام کی تیز رفتار ترقی کی راہ میں مشکلات کھڑی کرتے ہیں۔ اس نظام کا تقاضا ہے کہ ان ریاستوں کے اوپر بین الریاستی نظام قائم کر کے عالمی سرمایہ داری کی ترقی کی راہیں کھول دی جائیں۔

عالمگیریت کی پیش قدمی رکنے والی نہیں ہے۔ اس کے پیچھے کارفرما طاقت سائنسی ایجادات ہیں جو تاریخ اور تہذیب ترتیب دیتی رہتی ہیں۔ حالیہ دور میں جو زبردست سائنسی ایجادات ہوئی ہیں وہ اپنے منطقی اثرات ہر علاقے، ہر قوم اور ہر تہذیب پر مرتب کر رہی ہیں۔ ہم پاکستانی اس سے فرار حاصل نہیں کر سکتے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ معاشی عالمگیریت کی کمزوریوں اور خرابیوں کو دور کرنے کی طاقت پسماندہ قوموں کے پاس نہیں جن پر اس نظام کی زد پڑتی ہے۔ ان کا علاج کرنے کے قابل فی الحال کوئی عالمی تنظیم بھی موجود نہیں۔ تاہم اس جانب پیش قدمی بتدریج ہوگی۔ یقیناً کبھی اس صلاحیت کا مالک مؤثر عالمی نظام وجود میں آئے گا۔ یہ تلخ حقیقت ہے کہ سائنسی اور تکنیکی اعتبار سے پسماندہ قومیں فی الحال عالمگیریت کے فوائد اٹھانے کی صلاحیت نہیں رکھتیں سوائے ان کے جو نظم و نسق بنا کر اپنے شہریوں کو تعلیم اور ہنر سکھانے کا بندوبست کر رہی ہیں۔

عالمگیریت کا نظام کسی سماج کے سب طبقات پر یکساں اثرات مرتب نہیں کرتا۔ اثرات کن طبقات کے لیے اچھے ہوں گے اور کن طبقات کے لیے برے؟ اس کے تعین میں کسی حد تک ریاست کا کردار اہم ہوتا ہے۔ عالمگیر نظام میں بھی کسی ملک کے پاس یہ طاقت ضرور ہوتی ہے کہ وہ اپنی افرادی قوت کی ترقی اور خوشحالی کے لیے ضروری اقدام اٹھائے۔ کیا ایسے اقدام اٹھیں گے؟ یہ حکمران گروہوں کا معاملہ ہے جو ریاست کا نظم و نسق چلاتے ہیں۔

تیسری دنیا کے ملک چین نے تکنیکی پسماندگی کے باوجود نئے عالمگیر نظام میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرکت کے لیے تدبر کا راستہ اختیار کیا۔ اس ملک نے اپنے نظریاتی نظام کو ملک کی ترقی کی راہ میں حائل ہونے نہیں دیا۔ اس نے رائج سوشلسٹ نظام میں بنیادی نوعیت کی اصلاحات کیں اور ترقی حاصل کرنے کی غرض سے اسے عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیا۔ چین نے پڑوسی ممالک کے لیے خطرہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ انقلابی ہتھکنڈے جو کبھی وہ اختیار کرتا تھا، ترک کر دیئے۔ استحکام اور اعتماد کی فضا قائم کر کے بیرونی سرمایہ کاری کے لیے راستہ ہموار کیا۔ جدید علوم وفنون اور ہنر کو ترویج دے کر اپنے محنت کشوں کی صلاحیت کار میں اضافہ کیا۔ چین پہلا ملک ہے جس نے مستقبل بینی کے علم کو ریاستی سرپرستی میں فروغ دینے کا بندوبست کیا۔ اس علم کے تقاضوں کے مطابق چین اپنے معاشرے میں تبدیلی پیدا کرتا جا رہا ہے تاکہ مستقبل میں بڑی عالمی طاقت بن جائے۔ تاہم چین نے ابھی ایک بڑے مسئلے سے دوچار ہونا ہے۔ یہ کہ وہ اپنے ملک کے سخت گیر سیاسی نظام میں جمہوریت کو کیسے فروغ دے کہ لسانی تضادات قومی استحکام کے لیے بڑی مشکل پیدا نہ کریں۔

اگرچہ ترقی یافتہ دنیا نئے عالمگیر نظام کی طرف بڑھ رہی ہے مگر ہر کہیں قومی مفادات کا رویہ ابھی بڑا مضبوط ہے۔ یہ اقدار عرصہ تک مستحکم رہیں گی اور ریاستی حکومتوں کو ترغیب دیتی رہیں گی کہ وہ بدستور قومی مفادات کے لیے برسرپیکار رہیں۔ 2005ء میں امریکا کی واحد سپر پاور عراق، فلسطین اور دوسرے ملکوں میں اپنے قومی مفادات کے لیے جنگ اور سخت رویہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ نئے عالمگیر نظام کی گرفت مضبوط ہونے سے پہلے چاہتی ہے کہ اپنے اثر ونفوذ کا دائرہ جتنا زیادہ وسیع کر سکے، کر لے، تاکہ مستقبل کے نظام میں اس سے فائدہ اٹھاتی رہے۔ امریکا کا یہ غیر انسانی رویہ ہائی ٹیک کی پیدا کردہ طاقت کا اظہار ہے۔ مگر کیا طاقت ور ریاستیں اپنی قومی حکمتِ عملی انسانی قدروں کے مطابق طے کیا کرتی ہیں؟ ظاہر ہے نہیں۔ تو پھر امریکا کو منہ زوری سے کیسے روکا جائے؟ شاید اس طرح کہ دنیا میں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکہ کے مقابلے کا طاقت کا نیا مرکز جلد از جلد قائم ہو۔ مستقبل میں متحدہ یورپ اور مشرقی ایشیا میں نئے مراکز قائم ہو سکتے ہیں۔

کچھ دہائیوں سے ٹیکنالوجی کی ترقی نے ایسا سامان اور مواقع پیدا کر دیئے ہیں کہ کلچر کی ہمہ گیریت واقع ہو رہی ہے۔ لسانی اور ثقافتی انفرادیت کمزور اور ڈھیلی پڑ رہی ہے۔ یہ کیسی دلچسپ بات ہے کہ انفرمیشن ایج میں قبائلی اور پسماندہ ادوار کے کلچر اور اقدار موجود ہیں۔ مختلف سماجوں میں فکری تضاد پایا جاتا ہے لیکن جو سماج فکری اعتبار سے انفرمیشن ایج میں داخل ہو چکے ہیں یا داخل ہونے کے قریب ہیں، وہ بھی اقدار کے اعتبار سے ایک نئے مسئلے سے دوچار ہیں۔ ان کے سامنے نئی اقدار کا واضح تصور نہیں۔ سماجی اقدار سماج کی ترقی کے حوالے سے اضافی (Relative) تصور کی جاتی رہی ہیں جو مذہب کی دی ہوئی دائمی اقدار سے انحراف تصور کی جاتی تھیں۔ مگر انفرمیشن کے دور میں اقدار کا کوئی واضح تصور باقی نہیں رہا۔ اگرچہ عملی ضرورت کی رو سے یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ دنیا کے تمام کلچر اور عقائد باہم مل جل کر اقدار کی ایک نئی ترکیب یا آمیزش قائم کر لیں، مگر سر دست بہت سے معاملات میں تصور واضح نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہ مستقبل کی معیشت اور سیاست کی شکل کیا ہوگی؟

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا عالمگیر معاشی نظام کی تشکیل میں ٹرانس نیشنل کارپوریشنوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ کارپوریشنیں منافع خوری کو اپنا بڑا مقصد قرار دیتی ہیں۔ اس نظام کے استحصال اور اس کے پیدا کردہ معاشی تفاوت کو دور کرنے کا سرِ دست کوئی بندوبست موجود نہیں۔ اس کے خلاف آواز فی الحال مغرب کے ضمیر نے بلند کی ہے جبکہ اس آواز کو منظم عالمگیر تحریک کی صورت دینے کی ضرورت ہے۔

یہ خطرہ موجود ہے کہ ہائی ٹیک کی کوکھ سے پیدا ہونے والی تہذیب زندگی کے معنی (کلچر) ہی کو ایک بالکل نئی صورت دے کر موجودہ پیمانوں کو بے معنیٰ بنا دے۔ چنانچہ ضرورت

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ انسان دوست نظریات کی حامل تنظیمیں سماجی طاقت مجتمع کریں اور عالمی سطح پر باہمی اتحاد قائم کریں، تاکہ نئے عالمی نظام کی شکل اور خدوخال کی طرف پیش رفت منصفانہ خطوط پر ہو سکے۔ اس جانب ابتدائی کوششیں جاری ہیں، ان کو مستحکم اور پاپولر بنانے کی ضرورت ہے۔ مزید برآں دنیا کی تمام اقوام کو باہمی رضامندی سے متعدد بنیادی معاملات طے کرنے ہوں گے جن کا تعلق بنی نوع انسان کے مشترک مفاد میں ہے۔ مثلاً مہلک ہتھیاروں کو کیسے کنٹرول کیا جائے؟ سائنس کو انسانی فلاح کے لیے استعمال کرنے کا کیا طریق کار طے کیا جائے؟ ترقی کے معنی اور اس کا رخ متعین کرنے کا کیا طریقہ بنایا جائے؟ کمیاب قدرتی وسائل کے استعمال کی پالیسی کیا بنائی جائے؟ ماحولیات کو تباہی سے بچانے کے لیے کیا بندوبست کیا جائے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اب ہم پاکستانیوں کو گریبان میں جھانک کر یہ سوچنا چاہیے کہ اکیسویں صدی کے عالمگیر نظام میں ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہمارا مروجہ آئین مستقبل کے عالمی نظام میں اپنا حصہ ڈالنے میں ہماری کیا رہنمائی کرے گا؟ پاکستان کا ریاستی مذہب بین الاقوامی تعلقات کی استواری میں کیا کردار ادا کرے گا؟ ہمارے آئینی ادارے مثلاً اسلامی نظریاتی کونسل، فیڈرل شریعت کورٹ اور سپریم کورٹ کا شریعت بینچ اس معاملے میں کیسا کردار ادا کریں گے؟ ہمارا روایتی نظریہ نئے عالمگیر نظام کے تقاضے کیسے پورا کرے گا؟ یہ نظریہ تو صنعتی دور کے تقاضے بھی پورا نہیں کرتا۔ اس نے ہمیں فکری راستہ نہیں، کنفیوژن دیا ہے۔ ہمارا فکری کنفیوژن کب اور کیسے دور ہو گا؟

اب ہمیں نیا فکری انداز چاہیے جو ہمیں مستقبل کی طرف دیکھنے کی صلاحیت عطا کرے، ایسا فکر جو ہمارے ملک کو مستحکم بنائے، ہمیں قومی مقاصد میں کامیاب بنائے۔ وہی مقاصد جن پر قوم کا اتفاق 1949ء سے موجود ہے۔ اول اہل پاکستان کی فلاح اور خوشحالی، دوم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پاکستان کا اقوام عالم کی صف میں جائز اور ممتاز مقام، سوم امن عالم کا قیام اور چہارم بنی نوع انسان کی ترقی و بہبود۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے ہمارا فکری رویہ کیا ہونا چاہیے؟ کیا ان مقاصد میں کامیابی کا انحصار تقلید پسندی میں ہے یا تخلیقی صلاحیت کو اجاگر کرنے میں؟ ظاہر ہے کہ تخلیقی صلاحیت کو اجاگر کرنے میں ہے، یہ صلاحیت اپنے دور کے دانش، فکر اور پیداواری و سائنسی طاقت کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ اس صلاحیت کو اجاگر کرنے کے لیے ہمارے یہاں بھی تاکید کی گئی ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ حصول علم کے لیے چین بھی جانا پڑے تو جاؤ۔ دانائی تمہارا گمشدہ اثاثہ ہے جہاں سے بھی ملے حاصل کرو۔ ہمیں بار بار تاکید کی گئی ہے کہ فکر کرو، تدبر کرو، دنیا کی سیر (مشاہدہ) کرو اور دعا مانگو کہ اللہ تمہارے علم میں اضافہ کرے۔ چاہیے تھا کہ یہ باتیں مسلمانوں کو جدید ترین علوم و فنون، تحقیق اور ایجادات پر ابھارتیں مگر یہ تمام ہدایات جو تہذیب کو ترقی دینے کا باعث ہو سکتی تھیں پس پشت ڈال دی گئیں اور مسلمان تقلید پسندی کے رویے پر کاربند رہے۔ تہذیبی ترقی ہمیں نجی زندگی میں عبادات جاری رکھنے سے روکتی نہیں۔ امریکا اور یورپ میں (ستمبر 2001ء سے پہلے) اسلام پھیلا رہا تھا جو روحانی تسکین کے متلاشی لوگوں کو سکون اور اطمینان فراہم کر رہا تھا۔ اسلام کا یہ فیضان بڑا اہم ہے۔

آخر میں فقہ کی بات ہو جائے۔ پچھلی سطور میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کے تناظر میں ہمیں سوچنا ہوگا کہ اگر آج کی دنیا کے لیے اسلامی فقہ بنے تو کیسی ہوگی؟ پاکستان کا معاشی نظام کیسا ہوگا؟ اس کا عالمی معاشی نظام سے تعلق کیا ہوگا؟ اس تعلق کا فیصلہ کون کرے گا؟ جدید دور کی کاروباری اقدار کیا ہوں گی؟ کاروباری اداروں کے اصول اور قواعد کیا ہوں گے؟ کیا عالمی تجارت کے اصول و قواعد مسلمانوں کے لیے الگ اور دوسروں کے لیے الگ ہوں گے؟ دنیا میں امن کیسے قائم ہوگا؟ ملکوں کے باہمی تعلقات کیسے ریگولیٹ ہوں گے؟ دنیا میں انصاف کیسے قائم ہوگا؟ کیا امن، باہمی تعلقات اور انصاف کے اصول مسلمانوں کے لیے الگ اور

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسروں کے لیے الگ ہوں گے؟ بلاشبہ یہ سارے معاملات فقہی ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ معاملات سیکولر نہیں اور اگر سیکولر ہیں تو کیا قابل نفرت ہیں؟ کیا علوم وفنون اور مہارت، جو ان معاملات کو طے کرنے کے لیے درکار ہے، سیکولر نہیں؟ ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا عالمی معیشت، عالمی سیاست اور عالمی امن کے معاملات ہم پاکستانیوں نے طے کرنے ہیں؟ یا کیا یہ معاملات عالمی گاؤں کے سب باسیوں نے باہمی رضامندی سے طے کرنے ہیں؟ اور اگر ایسا ہے تو کیا یہ حقیقت نہیں کہ مذہبی تجربہ جدید دور کے معاملات سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اعلیٰ منزل پر پہنچ کر سیکولر بن جاتا ہے؟

(مارچ 2005ء)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ

ماہنامہ ترجمان القرآن

جنوری فروری 1951ء

علماء کرام کا 22 نکاتی اعلان 24 جنوری 1951

اسلامی مملکت کے بنیادی اصول

اسلامی مملکت کے دستور میں حسب ذیل اصول کی تصریح لازمی ہے:۔

۱۔ اصل حاکم، تشریعی وتکوینی حیثیت سے، اللہ رب العالمین ہے۔

۲۔ ملک کا قانون کتاب وسنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا، نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جاسکے گا جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

(تشریحی نوٹ: اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیئے جائیں گے۔)

۳۔ مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔

۴۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن وسنت کے بنائے ہوئے معروف کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و اعلاء اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانانِ عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے کی کوشش کرے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۶۔ مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

۷۔ باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو، آزادی مذہب و مسلک، آزادئ عبادت، آزادئ ذات، آزادئ اظہار رائے، آزادئ نقل و حرکت، آزادئ اجتماع، آزادی اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادہ کا حق۔

۸۔ مذکورۂ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۹۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدودِ قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہی کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاضی یہ فیصلے کریں۔

۱۰۔ غیر مسلم باشندگانِ مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت، تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

۱۱۔ غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شرعیہ کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگان ملک اور مسلم باشندگانِ ملک سب برابر کے شریک ہوں گے۔

۱۲۔ رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدبر، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

۱۳۔ رئیس مملکت ہی نظمِ مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

۱۴۔ رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی۔ یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

۱۵۔ رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلا یا جزاً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

۱۶۔ جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرت آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

۱۷۔ رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

۱۸۔ ارکان و عمالِ حکومت اور عام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۱۹۔ محکمہ عدلیہ محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

۲۰۔ ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

۲۱۔ ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہو گی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا۔ مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

۲۲۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

اسمائے گرامی شرکائے مجلس

۱۔ (علامہ) سید سلیمان ندوی (صدر مجلس ہذا)

۲۔ (مولانا) سید ابوالاعلیٰ مودودی (امیر جماعت اسلامی پاکستان)

۳۔ (مولانا) شمس الحق افغانی (وزیر معارف۔ ریاست قلات)

۴۔ (مولانا) محمد بدر عالم (استاذ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ، اشرف آباد، ٹنڈو اللہ یار سندھ)

۵۔ (مولانا) احتشام الحق تھانوی (مہتمم دار العلوم الاسلامیہ اشرف آباد۔ سندھ)

۶۔ (مولانا) محمد عبدالحامد قادری بدایونی (صدر جمعیۃ العلمائے پاکستان۔ سندھ)

۷۔ (مفتی) محمد شفیع (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام، مجلس دستور ساز پاکستان)

۸۔ (مولانا) محمد ادریس (شیخ الجامعہ۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور)

۹۔ (مولانا) خیر محمد (مہتمم مدرسہ خیر المدارس۔ ملتان شہر)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۔(مولانا مفتی) محمد حسن (مہتمم مدرسہ اشرفیہ، نیلا گنبد لاہور)

۱۱۔(پیر صاحب) محمد ابن الحسنات (مانکی شریف۔سرحد)

۱۲۔(مولانا) محمد یوسف بنوری (شیخ التفسیر دارالعلوم الاسلامیہ، اشرف آباد۔سندھ)

۱۳۔(حاجی) خادم الاسلام محمد امین خلیفہ حاجی ترنگ زئی (المجاہد آباد، پشاور۔صوبہ سرحد)

۱۴۔(قاضی) عبدالصمد سربازی (قاضی قلات۔بلوچستان)

۱۵۔۔(مولانا) اطہر علی (صدر عامل جمعیۃ العلماء اسلام مشرقی پاکستان)

۱۶۔(مولانا) ابوجعفر محمد صالح (امیر جمعیت حزب اللہ مشرقی پاکستان)

۱۷۔(مولانا) راغب احسن (نائب صدر جمعیۃ العلماء اسلام مشرقی پاکستان)

۱۸۔(مولانا) محمد حبیب الرحمٰن (نائب صدر جمعیۃ المدرسین، سرسینہ شریف۔مشرقی پاکستان)

۱۹۔(مولانا) محمد علی جالندھری (مجلس احرار اسلام پاکستان)

۲۰۔(مولانا) داؤد غزنوی (صدر جمعیۃ اہل حدیث۔مغربی پاکستان)

۲۱۔ (مفتی) جعفر حسین مجتہد (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام، مجلس دستور ساز پاکستان)

۲۲۔(مفتی حافظ) کفایت حسین مجتہد (ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان، لاہور)

۲۳۔(مولانا) محمد اسمٰعیل (ناظم جمعیت اہل حدیث پاکستان، گوجرانوالہ)

۲۴۔(مولانا) حبیب اللہ (جامعہ دینیہ دارالہدیٰ، ٹیڑھی خیرپور، میرپور)

۲۵۔(مولانا) احمد علی (امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ، لاہور)

۲۶۔(مولانا) محمد صادق (مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ۔کراچی)

۲۷۔(پروفیسر) عبدالخالق (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام، مجلس دستور ساز پاکستان)

۲۸۔(مولانا) شمس الحق فریدپوری (صدر مہتمم مدرسہ اشرف العلوم۔ڈھاکہ)

۲۹۔(مفتی) محمد صاحب داد عفی عنہ (سندھ مدرسۃ الاسلام۔کراچی)

۳۰۔ ۔(مولانا) محمد ظفر احمد انصاری (سیکرٹری بورڈ آف تعلیمات اسلام۔مجلس دستور ساز پاکستان)

۳۱۔(پیر صاحب) محمد ہاشم مجددی (ٹنڈو سائیں داد۔سندھ)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ

Report of the Basic Principles Committee
Text of Recommendations
Regarding Directive Principles of State Policy.

1. The Objectives Resolution

The Objectives Resolution should be incorporated in the constitution as a Directive Principle of State Policy, subject to the provision that this will not prejudice the incorporation of Fundamental Rights in the Constitution at the proper place.

2. Education

Steps should be taken in many spheres of governmental activities to enable the Muslims, as laid down in the Objectives Resolution, to order their lives in accordance with the Holy Quran and the Sunna.

It is not possible to enumerate the details of such activities in the Constitution. The incorporation of the Objectives Resolution, however, as a Directive Principle of State Policy would guide the Governments of the Centre and the Units in this respect,

An important point in this connection is the provision of facilities for the Muslims to understand what life in accordance with the Holy Quran and the Sunna means and, therefore, the Committee, among other things, lays particular emphasis on the compulsory teaching of the Holy Quran to the Muslims.

3. Wakfs and Mosques

Wakfs and mosques should be organized on proper lines.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضمیمہ

Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, 1956

Text of the Islamic Provisions.

Part III

Directive Principles of State Policy

23. (1) In this part, unless the context otherwise requires "the state" has the same meaning as in part II.

(2) The state shall be guided in the formulation of its policies by the provisions of this part, but such provisions shall not be enforceable in any court.

24. The state shall endeavour to strengther, the bonds of unity among Muslim countries, to promote international peace and security, to foster goodwill and friendly relations among all nations, and to encourage the settlement of international disputes by peaceful means.

25. (1) Steps shall be taken to enable the Muslims of Pakistan individually and collectively to order their lives in accordance with the Holy Quran and Sunnah..

(2) The state shall endeavour, as respects the Muslims of Pakistan,

(a) to provide facilities whereby they may be

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

enabled to understand the meaning of life according to the Holy Quran and Sunnah:

(b) to make the teaching of the Holy Quran compulsory;

(c) to promote unity and the observance of Islamic moral standards; and

(d) to secure the proper organization of zakat, wakıs and mosques.

26. The state shall discourage parochial, racial, tribal, sectarian and provincial prejudices among the citizens.

PART XII
General Provisions
CHAPTER 1 - ISLAMIC PROVISIONS

197. (1) The President shall set up an organization for Islamic research and instruction in advanced studies to assist in the reconstruction of Muslim society on a truly Islamic basis.

(2) parliament may by Act provide for a special tax to be imposed upon Muslims for defraying expenses of the organization set up under clause (1), and the proceeds of such tax shall not, notwithstanding anything in the Constitution, from part of the Federal Consolidated Fund.

198. (1) No law shall be enacted which is repugnant to the Injunctions of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah, hereinafter referred to as Injunctions of Islam, and existing law shall be

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

brought into conformity with such Injunctions.

(2) Effect shall be given to the provisions of clause(1) only in the manner provided in clause (3).

(3) Within one year of the Constitution Day, the President shall appoint a Commission-

(a) to make recommendations:

(i) as to the measures for bringing existing law into conformity with the Injunctions of Islam; and

(ii) as to the stages by which such measures should be brought into effect; and

(b) to compile in a suitable form, for the guidance of the National and Provincial Assemblies, such Injunctions of Islam as can be given legislative effect.

The Commission shall submit its final report within five years of its appointment, and may submit any interim report earlier. The report, whether interim of final, shall be laid before the National Assembly within six months of its receipt, and the Assembly after considering the report shall enact laws in respect thereof.

(4) Nothing in this Article shall effect the personal laws of Non-Muslim citizens, or their status as citizens, or any provision of the Constitution.

Explanation:- In the application of this Article to the personal law of any Muslim sect, the expression "Quran and Sunnah" shall mean the Quran and Sunnah as interpreted by that sect.

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ اپنے بارے میں

میں لاہور میں 1932ء میں لوئر مڈل کلاس کے روایت پرست، مذہبی گھرانے میں پیدا ہوا۔ باقاعدہ تعلیم بی کام، ایل ایل بی تک ہی حاصل کر سکا۔ قریباً 42 سال کارپوریٹ ٹیکس لاز کی پریکٹس کرتا رہا ہوں۔

پولیٹیکل اکانومی کے مطالعہ کا شوق باون سال پرانا ہے۔ اس سلسلے میں کئی موضوعات پر جز وقتی پڑھا اور سوچا، جن میں مندرجہ ذیل موضوعات قابل ذکر ہیں: اسلام کے معاشی و سیاسی نظریات، سوشلسٹ معاشیات، معاشی نظاموں کا تقابلی مطالعہ، ترقیاتی معاشیات۔ خاص طور پر ترقی پذیر ممالک کے سوشو اکنامک مسائل اور ٹیکسوں کے نظام پر توجہ دی۔ ایک جذبہ جس پر مجھے اختیار نہیں، مجھے قلم تھامنے اور سیاست میں علمی دلچسپی لینے کی طرف لے گیا۔ بہت سا عرصہ تحریک استقلال کے معاشی شعبے کے ڈیسک ورکر کے طور پر کام کیا۔ اس تجربے سے مجھے فکری معاملات کو زندگی کی حقیقتوں سے مربوط کرنے کا موقع ملا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پسماندہ معاشروں میں بالادست لیڈروں، طبقوں اور سخت گیر ریاستی نظام سے آزادی آسان نہیں ہوتی۔ لیکن اس آزادی کے بغیر معاشی انصاف ممکن نہیں۔ مسلم معاشروں کی مشکل یہ ہے کہ کلچر اور سماجی ساخت کے اعتبار سے جمہوری نہیں ہوتے۔ اس لیے قومی زندگی معاشی انصاف سے محروم رہتی ہے۔ چنانچہ اچھے معاشرے کی تشکیل کے لیے پاکستان کو اپنا قومی مزاج اور ریاستی نظام بدلنا ہوگا تاکہ وہ جمہوری اقدار کے فروغ کے لیے سازگار بن جائیں۔ اگر اپروچ سائنسی ہو تو یہ کام ناممکن نہیں، البتہ محنت اور وقت طلب ضرور ہے۔

قومی شعور کی سطح بلند کرنے کے عمل میں شریک ہونے کی خواہش مجھے اخبارات میں لکھنے پر اکساتی رہی۔ میں نے مندرجہ ذیل دو کتابیں بھی تصنیف کی ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(i) ''پاکستان کی معیشت وسیاست، ترقیاتی سٹریٹجی کے تقاضے'' 1979ء میں لکھی۔ اس کتاب نے مجھے اپنے اس زمانے کے نظریات منظم کرنے کا موقع دیا۔ اس کتاب میں غیر سرمایہ دارانہ خطوط پر سماجی اور معاشی ترقی کا پروگرام پیش کرنے کی کاوش کی گئی۔ آج میری سوچ آگے بڑھ چکی ہے۔ اب گلوبل اکانومی میں ترقی پذیر معیشت کو انصاف سے متصف کرنا ایک بڑا چیلنج بن چکا ہے۔

(ii) میری دوسری کتاب کا عنوان ''آج کا سندھ'' ہے جو 1986ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب 1983ء تا 1985ء کی دو تحقیقاتی رپورٹوں پر مشتمل تھی جن میں صوبہ سندھ کے لسانی قومیتوں کے مسائل پیش کیے گئے ہیں اور پاکستان کے استحکام کے لیے صوبائی خود مختاری اور جمہوری اداروں کے فروغ پر زور دیا گیا ہے۔

کچھ عرصہ صحت نے پڑھنے لکھنے کی اجازت نہ دی۔ اس دوران میں تحریک انصاف کے ساتھ منسلک رہا، مگر فکر اور سیاسی معاملات میں کوئی خدمت بجا نہ لا سکا۔

کل وقتی مطالعہ اور غور وخوض 2002ء کے بعد شروع کیا۔ سب سے پہلے میری توجہ ان نظریات اور معاملات پر گئی جو پاکستان کے فکری ارتقاء میں حائل رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں پیش کردہ افکار گزشتہ دو سالوں میں منظم ہوئے۔ یہ میری زندگی کے مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ کا نچوڑ ہیں۔ علم ودانش میں کچھ بھی حرف آخر نہیں ہوا کرتا۔ فکری اعتبار سے میں مختلف مراحل سے گزرا ہوں۔ میں خوش ہوں کہ میری سوچ منجمد نہیں ہوئی۔ آخری مضمون میری فکر کی بہتر نمائندگی کرتا ہے۔

میں آئندہ پاکستان میں جدید سماجی علوم کے فروغ کے لیے تحریک منظم کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

مارچ 2005ء

محمود مرزا

15265

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادارہ کی چند اہم مطبوعات

بداية المجتهد و نهاية المقتصد	ابن رشد/مترجم ڈاکٹر عبید اللہ فہد
اسلامی ریاست	مولانا امین احسن اصلاحی
اسلامی ریاست میں قانون سازی	مولانا امین احسن اصلاحی
مشاہدات حرم	مولانا امین احسن اصلاحی
حیات رسول امی	خالد مسعود
احیائے ملت اور دینی جماعتیں	الطاف احمد اعظمی
خطبات اقبال۔ایک مطالعہ	الطاف احمد اعظمی
ذکر فراہی (امام حمید الدین فراہی کی جامع سوانح)	ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی
اسلامی فقہ کے اصول مبادی	ساجد الرحمٰن صدیقی
معلم لغة القرآن	سید اعجاز حیدر
صحیح بخاری کا مطالعہ	شبیر احمد ازہر
جماعت اسلامی کی انتخابی سیاست اور پاکستان کا مستقبل	سعید ملک
اسلام، مسلمان اور دور حاضر	سعید ملک
تصوف — ایک تجزیاتی مطالعہ	عبید اللہ فراہی
وراثت — مسلم خاندان میں	این جے کلسن/مترجم شجاعت
عروج وزوال کا قانون اور پاکستان	ریحان احمد یوسفی
اسلام کیا ہے؟	ڈاکٹر فاروق احمد خان
جہاد، قتال اور عالم اسلام	ڈاکٹر فاروق احمد خان
اسلام اور عورت	ڈاکٹر فاروق احمد خان
سقراط (عظیم فلسفی پر جامع کتاب)	منصور الحمید

دار التذکیر

رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔54000 فون:7231119

E-mail: info@dar-ut-tazkeer.com

Website: www.dar-ut-tazkeer.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

محمود مرزا

1932ء میں متوسط طبقے کے ایک مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ بی کام اور ایل ایل بی کی تعلیم کے بعد تقریباً 42 سال کارپوریٹ ٹیکس قوانین کی وکالت کی۔

سیاسی اقتصادیات، اقتصادی نظاموں کا تقابلی مطالعہ، اسلام کے معروف معاشی وسیاسی نظریات ترقی پذیر ممالک کے سماجی اور معاشی مسائل اور مستقبلیات ان کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ ان کی رائے میں پسماندہ معاشروں میں بالادست طبقوں، لیڈروں اور سخت گیر ریاستی نظام سے آزادی آسان کام نہیں ہے لیکن اس آزادی کے بغیر معاشی انصاف ممکن نہیں۔ اچھے معاشرے کی تشکیل کے لئے پاکستان کو اپنا قومی مزاج اور ریاستی نظام بدلنا ہوگا، جدید علوم وفنون کو فروغ دینا ہوگا، معاشی جدیدیت اختیار کرنا ہوگی تب ہی ہمارا معاشرہ جمہوری اقدار اور انصاف کے لیے سازگار ماحول پیدا کر سکے گا۔

قومی شعور کی سطح بلند کرنے کے عمل میں شریک ہونے کی خواہش کے تحت اخبارات میں مضامین لکھتے رہے۔ دو کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔

(i) پاکستان کی معیشت وسیاست، سٹریٹجی کے تقاضے (1979)

(ii) آج کا سندھ (1986)